۱۴ر ستمبر ۱۹۹۲ء
ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

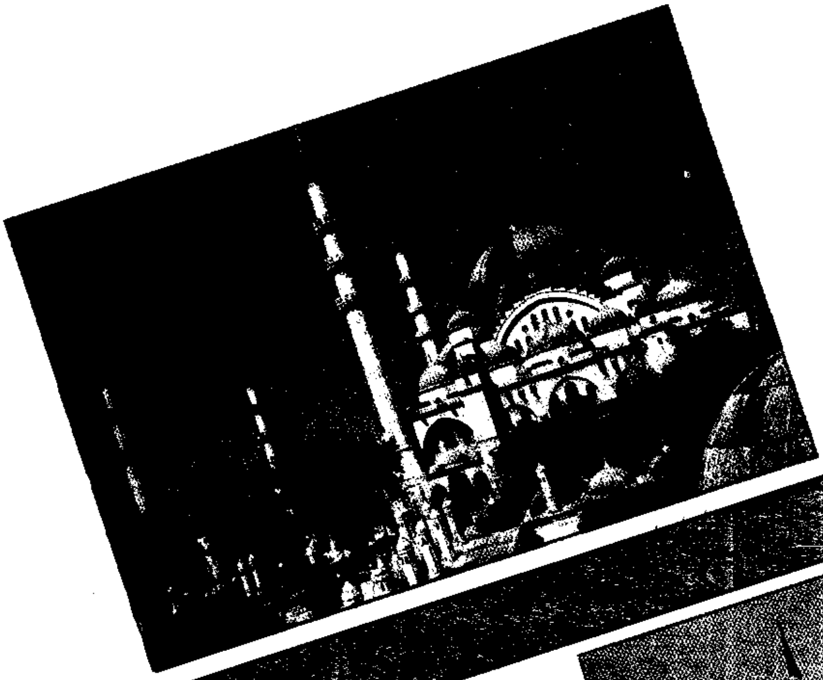

استنبول...

دو براعظموں میں واقع دنیا کا واحد شہر
مینار اور گنبد جس کی شناخت ہیں
(ایلان یارمن ترکی...)

تاریخ کے قبرستان سے کمیونزم کا مردہ اب کبھی باہر نہیں آسکے گا (تجزیہ)

حلقہ شمالی پنجاب میں حرکت کی برکت

تنظیم اسلامی پاکستان کے نائب امیر قمر سعید قریشی صاحب نے ناظم حلقہ شمالی پنجاب شمس الحق اعوان صاحب کے مشورے سے اس حلقے کا دورہ کرنے کا پروگرام بنایا تاکہ یہاں رفتار کار کا جائزہ لیا جاسکے' رفقاء سے ذاتی تعارف بھی حاصل ہوجائے اور اس طرح ربط و تعلق استوار کرنے میں سہولت رہے۔ پھر یہ بھی کہ ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی و تحریک خلافت عبدالرزاق صاحب کے ساتھ اسی دوران صلاح مشورہ کر کے آئندہ کے لئے لائحہ عمل طے کر لیا جائے۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق قمر سعید قریشی صاحب اور شمس الحق اعوان صاحب ۳۰ جولائی کو علیحدہ علیحدہ راولپنڈی تشریف لائے۔ رات کا قیام راولپنڈی میں ہوا۔ صبح نماز فجر کے فوراً بعد تنظیم کی سوزوکی پک اپ کے ذریعے رنگلہ کے لئے روانگی ہوگئی۔ مری سے تقریباً ۲۰ کلو میٹر آگے بیروٹ میں معاونین تحریک خلافت خاصی تعداد میں ہیں جن میں سے کچھ ساتھیوں سے مختصر ملاقات رہی۔ بیروٹ سے متصل دوسرا گاؤں عباسیاں ہے جہاں معاونین کے علاوہ دو مخلص رفقائے تنظیم بھی مقیم ہیں۔ ان میں سے عبدالرحیم افتخار صاحب سے ملاقات ہوئی۔ جو بڑے اصرار سے اپنے گھر بھی لے گئے۔ منزل مقصود یعنی رنگلہ میں عبدالقیوم قریشی معاون ناظم حلقہ شمالی پنجاب برائے آزاد کشمیر اپنے رفقاء و معاونین سمیت دو روزہ تفریغ اوقات کے سلسلے میں ایک دن پہلے ہی سے ٹھہرے ہوئے تھے۔

یہاں کی مرکزی جامع مسجد میں خطاب کا اہتمام کیا گیا تھا جسے عبدالقیوم قریشی صاحب نے خوبصورتی سے نبھایا۔ انہوں نے "دینی فرائض کا جامع تصور" کے موضوع پر پر مغز گفتگو کی۔ یہاں نمازیوں کی تعداد ۳۵۰ کے قریب تھی۔ بعد نماز جمعہ مشاورت ہوئی جس میں سنگولہ سے تشریف لانے والے رفیق تنظیم شبیر احمد اعوان صاحب نے بھی شرکت کی۔ قمر سعید قریشی صاحب نے باغ میں امیر محترم کے جلسے کے انتظامات کرنے کے لئے انہیں مناسب ہدایات دیں۔ بعد نماز عصر شمس الحق اعوان صاحب نے شرکائے دو روزہ پروگرام کے سامنے "دینی فرائض کا جامع تصور" عام فہم انداز میں بیان فرمایا۔ مغرب کے بعد انہوں نے ہی اپنے مخصوص انداز میں "منہج انقلاب نبویؐ" پر لیکچر دیا۔ رات دس افراد نے دفتر تنظیم رنگلہ میں قیام کیا۔

اگلے دن یکم اگست کو صبح آٹھ بجے سے ساڑھے دس بجے تک ایک تعلیمی پروگرام چلا جس میں دینی فرائض کا جامع تصور کے حوالے سے مذاکرہ ہوا اور شرکاء نے اظہار خیال فرمایا اس کے فوراً بعد جہانگیر کنگیر کی طرف روانگی ہوگئی جو رنگلہ سے تقریباً پانچ کلو میٹر کی پیدل مسافت پر ہے اور جہاں بعد نماز ظہر ایک جلسہ عام کا پروگرام طے تھا۔ اس جلسے کی تشہیر کے لئے ہینڈ بل تقسیم کئے گئے' اعلانات کروائے گئے اور ذاتی رابطہ بھی کیا گیا۔ یہ کام جہانگیر کنگیر کے مضافات' پریم کوٹ' رحیم کوٹ' کوچھاڑ' مولا چھ اور مشتمبہ میں کیا گیا۔ یہاں فرائض دینی کے حوالے سے عبدالقیوم قریشی صاحب نے گفتگو کی جبکہ شمس الحق اعوان صاحب نے "خلافت بذریعہ انقلاب" کے موضوع پر پر اثر خطاب فرمایا۔ شرکاء میں سے سات معاونت اختیار کرتے ہوئے قافلہ خلافت کے شریک سفر ہوگئے۔

دوسرے دن مختلف افراد سے ان کی ملاقاتیں کروائی گئیں تاکہ انہیں مقامی حالات سے براہ راست آگاہی حاصل ہوسکے۔ انہوں نے رنگلہ پائلٹ ہائی سکول میں تحریک خلافت کا تعارف کروایا۔ اس دوران عبدالقیوم قریشی مقامی رفقا سمیت چاکنگ میں مصروف رہے۔ یہاں سے فراغت کے بعد مقامی رفقاء کی معیت میں دھیر کوٹ جانا ہوا جو تحصیل ہیڈ کوارٹر ہے تاکہ یہاں بھی رابطہ کیا جاسکے۔ یہاں کے بازاروں میں آزاد کشمیر کے لئے خصوصی طور پر تیار کئے گئے ہینڈ بل تقسیم کئے گئے۔ یہ کام بڑی حد تک راجہ اکرم خان صاحب اور تاج افسر خان صاحب نے انجام دیا البتہ ان کے معاونین کے طور پر عبدالقیوم قریشی اور خالد محمود عباسی بھی شریک کار رہے۔ دوسری طرف اسی دوران نائب امیر تنظیم' ناظم اعلیٰ اور ناظم حلقہ شمالی پنجاب باہمی مشورے میں مشغول رہے تاکہ تحریک کے کام کو مستقبل میں بہتر انداز میں آگے بڑھایا جاسکے۔ یہ غور و فکر دوسرے دن بھی ایک بجے تک جاری رہا۔ اس دن یعنی ۳ر اگست کو صبح ہی سے وقفے وقفے سے بارش بھی ہوتی رہی تاہم ہمارا کام بھی رکا نہیں۔ چنانچہ ایک طرف متذکرہ بالا نشست جاری رہی تو دوسری طرف عبدالقیوم قریشی اور انکے ساتھی مختلف دعوتی کاموں میں مصروف رہے۔ ان میں سے ایک قابل ذکر پروگرام گورنمنٹ پائلٹ ہائی سکول دھیر کوٹ میں ہوا۔ یہاں اساتذہ کرام پیشہ ورانہ تربیت کے لئے بھی آتے ہیں۔ مقامی انچارج صاحب نے کمال مہربانی فرماتے ہوئے ان میں سے اکثر کو اکٹھا کرنے کا اہتمام فرمایا۔ یہاں خالد محمود عباسی نے موجودہ حالات میں خلافت کی اہمیت اور اس کے قیام کے طریقہ کار کے حوالے سے گفتگو کی جو بحمد اللہ موثر رہی۔ اس کے نتیجے میں سوال و جواب کی طویل نشست ہوئی اور تقریباً ہر شخص نے خلافت کی کشش و جاذبیت کو دل کی گہرائیوں سے محسوس کیا البتہ نقد یافت صرف ایک معاون تحریک خلافت کی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اور اس پروگرام میں تعاون کرنے والے تمام اساتذہ کرام کو جزائے خیر سے نوازے۔

دو بجے کے قریب راولپنڈی کے لئے بذریعہ سوزوکی پک اپ براستہ کوہالہ پل روانہ ہوئے۔ راولپنڈی رکے بغیر سیدھے واہ کینٹ جانا ہوا جہاں مختار حسین فاروقی صاحب سے ملاقات کرنا مقصود تھی وہ ہمارے منتظر تھے۔ رات کا قیام انہی کے ہاں ہوا جہاں ان سے رات گئے تک تنظیمی امور پر مشورہ ہوا۔ انہوں نے اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔ دوسرے دن چار اگست کو نو بجے وہاں سے راولپنڈی روانگی ہوئی۔ قمر سعید قریشی صاحب کو ریلوے اسٹیشن پر رخصت کیا جہاں سے انہیں بذریعہ ٹرین واپس لاہور جانا تھا جبکہ ناظم اعلیٰ اور ناظم حلقہ دفتر تنظیم تشریف لے آئے۔ یہاں سے دونوں حضرات محمود احمد صاحب کی طرف افشاں کالونی میں انجمن خدام القرآن کے لئے ہدیہ ہونے والی کوٹھی دیکھنے گئے جس کی مالیت سکہ رائج الوقت میں تقریباً ستر لاکھ روپے ہے۔ اس سے امید ہوچلی ہے کہ اللہ تعالیٰ توفیق دے تو پنڈی میں بھی قرآن اکیڈمی کا کام جلد شروع ہوجائے گا۔ کوٹھی کا معائنہ ناظم اعلیٰ عبدالرزاق صاحب کا آخری پروگرام تھا جس کے بعد وہ اور ناظم حلقہ شمالی پنجاب شمس الحق اعوان صاحب لاہور کے لئے روانہ ہوگئے۔ ○○

ایک اکیلا' دو گیارہ

پڑوسی برادر ملک اسلامی جمہوریہ ایران کے صدر جناب علی اکبر ہاشمی رفسنجانی ان دنوں ہمارے مہمان ہیں۔ اس سے پہلے کشور ایران جدید کے ایک سربراہ جناب خامنہ ای نے ہمیں شرف میزبانی بخشا تھا جو آج جناب آیت اللہ خمینی کے جانشین کے طور پر نگرانی کے فرائض انجام دے رہے ہیں تاہم جناب رفسنجانی کا یہ دورہ اس اعتبار سے اہم تر ہے کہ اب امت پر پہلے سے کہیں زیادہ کڑا وقت پڑا ہے اور خود ایران کا بھی اس دوران میں بہت مختلف النوع تجربات سے گزر ہوا۔ کرہ ارضی کی فضا مسلمانوں کے لئے زیادہ ناسازگار محسوس ہوتی ہے تو اس بات کے بھی آثار ہیں کہ ۔

کتاب ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے یہ شاخ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا

امت مسلمہ کو درپیش مسائل میں حکومت ایران نے اصولی اور غیر متزلزل موقف اختیار کر کے سیاسی لیپا پوتی کے مروجہ انداز اور مصلحت آمیز ڈپلومیسی پر تین حرف بھیجے ۔ کشمیر پر منصفانہ ایرانی موقف کا تسلسل' بوسنیا کے مسلمانوں کی زوردار سفارتی اور موثر مادی امداد' عراق پر تازہ ترین امریکی جارحیت کی مذمت اور علاقے میں مغرب کی طرف سے اسلام دشمن سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھنے کی شکل میں ہمارے ہمسائے نے خود ہمارے لئے اچھی مثالیں قائم کی ہیں لیکن انفرادی کوششیں اب شاید ہی کامیابی سے ہمکنار ہو سکیں کیونکہ مسلمانوں کا مقابلہ وسائل سے مالا مال اور علم و ہنر میں درجہ کمال کو پہنچے ہوئے دشمن سے ہے جس کا سب سے بڑا حربہ مسلمانوں کی قوت کو اکائیوں میں تقسیم کردینا اور پھر ان اکائیوں کو ذاتی مفادات کے گرداب میں پھنسا دینا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک اکیلا ہی ہوتا ہے جبکہ دو مل کر گیارہ بن جاتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ بڑے بڑے لطائف غیبی کا انتظار کرنے کی بجائے ایک پاکستان اور ایک ایران ہی مل کر گیارہ بنے کی کوشش کریں۔

افغانستان سے بھی ہمیں بہت توقعات ہیں لیکن وہاں بنتے بنتے بات بگڑ جاتی ہے اور یہ بہرحال طے ہے کہ وہاں اونٹ کو کسی کروٹ بیٹھنے میں ابھی خاصا وقت لگے گا۔ پھر اس امر واقعہ سے بھی انکار ممکن نہیں کہ پاکستان اور ایران یک سوئی سے ایک متفقہ لائحہ عمل کے تحت افغانستان کے داخلی معاملات میں بے جا ناگوار مداخلت سے شعوری اجتناب برتتے ہوئے سیاسی استحکام پیدا کرنے کی تدبیر کریں تو ہماری موجودہ نسل ہی ان خوابوں کی تعبیر دیکھ لے گی جو شاعر مشرق نے اپنی آنکھوں میں سجائے تھے۔

دونوں برادر ملکوں میں مسلک و مشرب کے اختلافات کے باوجود مثبت قدروں کی بنیاد پر ناقابل شکست وحدت ملی کی ایک ایسی اساس کی داغ بیل ڈالی جاسکتی ہے جس کی عالمی غلبہ اسلام کے لئے ایک نہ ایک دن ضرورت پیش آکر رہے گی۔ اختلاف و افتراق کے موجودہ ماحول میں اتفاق و اتحاد کی ایک مثالی صورت کی تلاش بظاہر مجذوب کی بڑ سمجھی جاسکتی ہے لیکن حصول مقصد میں خلوص موجود ہو تو آغاز کار بھی ایک نیک شگون بنتا ہے۔ مہمان صدر اور میزبان حکومت دونوں سے ہماری درخواست یہ ہے کہ ان رسمی اور نمائشی تقریبات میں وقت ضائع نہ کریں جن کی حیثیت دکھاوے سے زیادہ نہیں ہوتی جسے ہمارے دین میں تبذیر بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے پیش نظر اگر امت مسلمہ کا وسیع تر مفاد ہے تو اپنا پورا وقت اور تمام تر صلاحیت سرجوڑ کر یہ سوچنے میں لگائیں کہ اس ڈولتی کشتی کو سنبھالا دینے کی کوئی شکل ممکن بھی ہے یا نہیں جس کا کھیون ہار تو اللہ ہے لیکن چپو چلانے کے لئے انسانی ہاتھ یقیناً درکار ہیں۔ گزرتے زمانے میں عالم عرب نے ملت بیضا کو مایوسی کے سوا کچھ نہیں دیا اور اس سے کوئی بڑی امید رکھنا سراب کے پیچھے بھاگنے کے مترادف ہے' کیا عجم اس چیلنج کا جواب دینے کی ہمت رکھتا ہے جو عالم اسلام کو آج درپیش ہے؟۔○○

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

○

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور

جلد ۱ شمارہ ۳۴

۱۴ ستمبر ۱۹۹۲ء

○

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

○

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
مرکزی دفتر: ۶۷۔ اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور
مقامِ اشاعت
۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون :۔ ۸۵۶۰۰۳

○

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

○

قیمت فی پرچہ ۔/۳ روپے

سالانہ زر تعاون (اندرونِ پاکستان) ۔/۱۲۰ روپے

○

زر تعاون برائے بیرونِ پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت —— ۱۶ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش —— ۱۲ 〃 〃
افریقہ، ایشیا، یورپ —— ۱۷ 〃 〃
شمالی امریکہ، آسٹریلیا —— ۲۰ 〃 〃

الہدیٰ

سورۃ البقرہ

آیت ۱۲۵

ترجمانی: حافظ عاکف سعید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لئے مرکز اور امن کی جگہ بنایا

(حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر اور ان کی منقبت کے بیان کے بعد اب اس آیت میں قبلہ اول یعنی خانہ کعبہ کی عظمت و فضیلت کا بیان ہے کہ اللہ نے اپنے اس گھر کو جسے اس کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا اور جسے دنیا کے بتکدے میں اللہ کا اولین گھر ہونے کا شرف حاصل ہے' لوگوں کے لئے مرکز و مرجع اور امن کا گہوارہ بنادیا۔ قرائن یہ بتاتے ہیں کہ ابتدا ہی سے تمام اولاد ابراہیم کی نماز اور قربانی کے لئے خانہ کعبہ ہی کو قبلہ قرار دینے کا فیصلہ ہوا تھا جس کے واضح اشارات تورات میں ملتے ہیں۔ لیکن بعد میں یہود کا تعصب آڑے آیا اور انہوں نے اس حقیقت پر دانستہ پردہ ڈالے رکھا' واللہ اعلم!)

اور بناؤ مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ

(کہ مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر بھی ہو سکتا ہے کہ جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کو تعمیر کیا تھا اور جہاں طواف کی تکمیل پر دو رکعت نماز ادا کی جاتی ہے' اور اس سے مراد حرم کا پورا علاقہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا مسکن و مستقر تھا۔ اس جگہ کو مصلیٰ قرار دے کر گویا اس گھر کے اصل مقصد تعمیر کو معین کر دیا گیا کہ یہ نماز کا مرکز ہو گا!)

اور ہم نے حکم بھیجا ابراہیم اور اسماعیل کی طرف کہ پاک رکھو میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے لئے ○

(حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ دونوں کو اللہ نے اس بات کا پابند کیا تھا کہ وہ اس گھر کو ہر قسم کی آلودگی سے پاک و صاف رکھیں گے' خواہ وہ ظاہری نجاست اور گندگی ہو جس سے عبادت گزاروں کی طبیعت میں تکدر و انقباض پیدا ہوتا ہو اور خواہ وہ شرک اور بت پرستی کی نجاست ہو کہ جس سے توحید پر آنچ آتی ہو اور پورا نظام دین مجروح ہوتا ہو! ---- گویا اشارہ فرمادیا کہ اس گھر کی تولیت کے مستحق صرف وہی لوگ ہیں جو اس کے مقصد تعمیر کو پورا کریں اور حضرات ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے اتباع میں اس گھر کو ظاہری و معنوی دونوں قسم کی نجاستوں سے مکمل طور پاک صاف رکھ سکیں!)

جوامع الکلم

جو شخص کسی نیکی کے کام کی جانب رہنمائی کرتا ہے اس کے لئے ویسا ہی اجر ہے جیسا کہ نیکی کرنے والے کے لئے ہے

(کہ نیکی کا کام کرنا تو یقیناً باعث اجر و ثواب ہے ہی' نیکی کے کام کی جانب کسی دوسرے کو متوجہ کرنا یا کسی کو نیکی کے کام پر آمادہ کرنا بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی رو سے موجب اجر و ثواب ہے۔ کسی کے توجہ دلانے پر اگر کوئی شخص نیک راہ پر آجائے تو اس توجہ دلانے والے کو بھی اتنا ہی اجر ملے گا جتنا کہ عمل کرنے والے کو!)

(صحیح مسلم بروایت حضرت ابو مسعود انصاریؓ)

معاشرے کو روٹی کی ہی نہیں' ایمان کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

روس اور کمیونزم کے زوال کے بارہ (۱۲) اسباب

تاریخ کے قبرستان سے کمیونزم کا مردہ اب کبھی باہر نہیں آسکے گا

سرمایہ داری بھی آخری دموں پر ہے' یہ خلاء انقلابی اسلام کے لئے صلائے عام ہے

عبدالکریم عابد

روس کے اشتراکی انقلاب نے دنیا کے غریبوں کو جگایا' کاخ امراء کے در و دیوار کو ہلایا اور محکوم و مغلوب اقوام کو نیا حوصلہ بھی دیا لیکن یہ سب کچھ ایک سراب ثابت ہوا اور آج مارکس ازم' لینن ازم' ماؤ ازم سمیت ساری کمیونسٹ اور سوشلسٹ تحریکوں نے دم توڑ دیا ہے۔ اس زوال کے اسباب کیا ہیں اور ایک عالمی تحریک کا جس میں دنیا بھر کے دانشور اور جیالے مجتمع تھے' یہ انجام کیوں ہوگیا؟...

حقیقت یہ ہے کہ انقلاب روس بذات خود کارل مارکس کے نظریات کی ناکامی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ اس انقلاب نے خود اس مارکسی نظریہ کی تردید کردی کہ بورژواؤں کا نظام صنعتی ترقی کے درجہ کمال پر پہنچ کر اپنا مخالف پرولتاریہ پیدا کرتا ہے اور یہ پرولتاریہ منظم ہو کر انقلاب لے آئے گا۔ مارکس نے یہ نشان دہی بھی کردی تھی کہ برطانیہ یا اس طرح کے کسی صنعتی ترقی یافتہ ملک میں سب سے پہلے مزدور راج قائم ہوگا لیکن روس کا انقلاب ایک ایسے ملک میں آیا جہاں نہ بورژوا طبقہ تھا نہ پرولتاریہ' یہ صنعتی معاشرہ کی بجائے جاگیرداروں کا معاشرہ تھا۔ اور جہاں صنعتی زندگی تھی' کارخانوں کا شور تھا' سرمایہ دار تھا' مزدور تھا وہاں کمیونسٹ پارٹی ہمیشہ بے وقعت رہی۔ اس نے انقلاب زارشاہی اور جاگیرداروں کے ملک میں پیدا کیا جبکہ دنیا کے کسی صنعتی ملک میں یہ انقلاب نہیں آیا۔

یوں کارل مارکس کی ساری پیشین گوئیاں غلط ہوگئیں جس پر لینن نے نئی توضیحات اور تشریحات کیں کہ جو سب سے کمزور کڑی تھی وہ پہلے ٹوٹ گئی ہے اور یہ کہ سرمایہ داری کو اپنی عالمی منڈیوں اور نو آبادیوں کی وجہ سے نیا خون ملتا رہا ہے جس نے مزدور طبقہ کو بھی اچھا معیار زندگی دیا اس لئے صنعتی ترقی یافتہ ملکوں میں انقلاب کی پیشین گوئی غلط ثابت ہوگئی ہے لیکن آگے چل کر جب مزدور طبقہ کی حالت خراب ہوگی تو وہاں انقلاب ضرور آئے گا۔ تاہم اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے کہ روس میں پرولتاریہ کی آمریت بغیر پرولتاریہ کے طبقہ کے کیسے قائم ہوگئی۔ صنعتی مزدور طبقہ کی عدم موجودگی میں مزدور راج کہاں سے ٹپک پڑا؟۔ بات صاف تھی کہ یہ انقلاب مارکس کے نظریات کی تصدیق نہیں تردید تھا۔ مارکس نے قدر زائد کا جو نظریہ پیش کیا تھا وہ بھی غلط ثابت ہوا اور روسی معاشرہ نے ہی اس خیال کو غلط ثابت کیا کہ اصل چیز قوم پرستی نہیں طبقات ہیں اور ظاہر یہ ہوا کہ طبقاتی شعور کے مقابلہ میں قوم پرستی کی طاقت کہیں زیادہ ہے اور سوشلزم بھی اس طاقت کے آگے سجدہ ریز ہوگیا۔

روسی انقلاب میں بنیادی کردار فرسودہ شاہی نظام سے بیزار عناصر' شکست خوردہ فوج' اور زار کی سلطنت کا جوا اتار پھینکنے کے لئے غیر روسی قوموں کے جذبہ آزادی نے ادا کیا تھا۔ یہودیوں کی بھی ایک منصوبہ بندی تھی جو زار کی عیسائی سلطنت سے تنگ تھے اور اس کی جگہ لادین حکومت لانا چاہتے تھے۔ اور بھی کچھ عناصر اس میں شریک تھے لیکن مزدور کسان بہرحال اس کا سبب نہیں تھے کیونکہ ان کی کوئی طاقت ہی نہیں تھی۔ ٹریڈ یونین بھی ترقی یافتہ یورپ میں مضبوط اور منظم تھی' سوشلسٹ مفکرین بھی وہیں پیدا ہوتے رہے اور سوشلزم کا چرچا بھی یورپ کی سرزمین سے اٹھا جبکہ روس میں طاقتور زار شاہی کے مقابلے میں ایک کمزور جمہوری تحریک ضرور تھی جو وقت کے ساتھ آگے بڑھ سکتی تھی لیکن کمیونسٹ انقلاب نے اس جمہوری تحریک کو نگل لیا اور روس میں یورپ کی طرح جمہوری انقلاب نہیں آسکا۔

زار کے بعد اس کی قسمت میں صرف

سٹالن آیا ورنہ روس میں بھی جمہوری انقلاب آتا تو ہمارے سامنے ایک نیا اور اچھا روس ہوسکتا تھا لیکن روس میں جمہوری انقلاب اس لئے ممکن نہیں تھا کہ اس سے روس کا پرانا نو آبادیاتی نظام ختم ہوجاتا۔ روسی فوج کے لئے مسئلہ یہ تھا کہ وہ ۱۹۰۴ء میں جاپان سے جنگ ہار گئی تھی اور کسی ایشیائی قوم کے ہاتھوں بیسویں صدی میں مغربی قوم کا پٹ جانا ایک سنسنی خیز واقعہ تھا۔ روس کو جرمنی، پولینڈ اور ہنگری کے مقابلے میں بھی شکستوں کا سامنا کرنا پڑا تھا اور ان شکستوں کے بعد روس کی غیر روسی قوموں میں آزادی کی تحریک چل پڑی تھی۔ ملک میں اکثریت غیر روسیوں کی تھی، روسی اقلیت میں تھے اور غیر روسیوں کا علاقہ بھی روس خاص سے کہیں زیادہ وسیع تھا۔

روسی مملکت کی کوئی فطری بنیاد نہیں تھی، اس میں ایشیا اور یورپ کے مختلف حصوں کو ایک استبدادی نظام کے تحت یکجا کردیا گیا تھا جسے ڈھیلا کرنے کے لئے حکمران تیار نہیں تھے۔ انہوں نے قسطوں میں بھی آئین اور جمہوری اصلاحات دینے کا عمل نہیں کیا۔ اس کی بجائے فوج کے افسروں نے یہ مناسب سمجھا کہ استبداد کو مزید وسعت دی جائے اور اس کا نام تبدیل کردیا جائے۔ اس طرح زار شاہی کی جگہ سٹالن شاہی آگئی۔ ابتدا میں لینن نے ایک روسی دولت مشترکہ کا تصور پیش کیا تھا جس میں ہر غیر روسی ریاست کے لئے آزادی اور علیحدگی کا حق بھی تجویز کیا گیا تھا لیکن یہ خیالی باتیں تھیں، عملی طور پر روس کو توڑے بغیر جمہوریت کو اپنایا نہیں جاسکتا تھا اس لئے جمہوریت کی بجائے پرولتاریہ کی آمریت کے نام پر استبدادی نظام کو نئی شکل میں قائم رکھنا مناسب خیال کیا گیا

اس طرح روس میں نہ اشتراکیت کا تجربہ کیا گیا نہ وہاں اشتراکیت کا تجربہ ہوسکتا تھا۔ ہوا صرف یہ کہ پرانے سامراج کو نیا رنگ و روغن عطا کردیا گیا اور شاہی جاگیرداری کو رخصت کرکے اس کی جگہ بیوروکریسی کی حکومت لائی گئی جو سب شعبوں پر محیط تھی۔ لینن نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں بار بار اظہار افسوس کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہم بیوروکریسی کی حکومت کے جال میں پھنس کررہ گئے ہیں۔ لینن کی ان تحریروں کے کچھ اقتباسات پیش ہیں:

" ہمیں ساری توجہ اس حقیقت کو سمجھنے پر مرکوز کرنی چاہیے کہ سرکاری ٹرسٹوں اور مشترکہ کمپنیوں میں ذمہ دار اور اچھے کیمونسٹوں کا وجود بے سود رہا کیونکہ یہ کیمونسٹ نہیں جانتے کہ معیشت کو کس طرح چلایا جائے۔ وہ نظام سرمایہ داری کے معمولی سیلز مینوں سے بھی گئے گزرے لوگ ہیں" (لینن۔ سلیکٹڈ ورکس جلد سوم صفحہ ۶۸۱)

" اصل نکتہ یہ ہے کہ ذمہ دار کیمونسٹ اور ان کے ہی بہترین افراد جن کی دیانتداری اور وفاداری شک و شبہ سے بالا ہے، اور جو پچھلے دور میں مصائب جھیل چکے ہیں اور موت سے بھی خائف نہیں ہوئے، وہ کیمونسٹ ضرور ہیں لیکن وہ نہ کاروباری آدمی ہیں نہ کاروبار جانتے ہیں اور یہ ماننے کے لئے تیار بھی نہیں کہ ہمیں یہ کام سیکھنا چاہیے" (سلیکٹڈ ورکس جلد سوم صفحہ ۶۸۳)

" پچھلے سال کے دوران ہم نے یہ صاف ظاہر کردیا کہ ہم معیشت نہیں چلاسکتے۔ بیشتر صورتوں میں بورژوا افسر کیمونسٹوں کے مقابلہ میں زیادہ کاروباری سوجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ اسے تسلیم کرنا چاہیے کہ ذمہ دار کیمونسٹ اس وقت جن جگہوں پر کام کررہے ہیں وہاں یہ سو میں سے ننانوے کے تناسب سے غلط آدمی ثابت ہوئے" (سلیکٹڈ ورکس جلد سوم صفحہ ۷۰۱)

" یہ مثالیں جو میں نے پیش کی ہیں، ان سے واضح ہوتا ہے کہ مسئلہ یہ نہیں ہے کہ ہمارے پاس سیاسی اختیارات و اقتدار نہیں بلکہ مسئلہ انتظامی صلاحیت کے نہ ہونے کا ہے۔ کوئی بھی سیلز مین جو ایک بڑی سرمایہ دار کمپنی کا تربیت یافتہ ہے، معاملات کو حل کرنا جانتا ہے لیکن کیمونسٹوں میں ننانوے فی صد نااہل ہیں اور یہ نہیں مانتے کہ ہم نابلد لوگ ہیں۔ بعض سبوتاژ کرنے والے تو جان بوجھ کر کیمونسٹوں کو محکموں کا سربراہ بنادیتے ہیں تاکہ خود تباہی ہو" (سلیکٹڈ ورکس جلد سوم صفحہ ۶۸۱)

" سرمایہ دار ڈاکوؤں کی طرح کام کررہے ہیں، نفع پر نفع لیتے ہیں لیکن انہیں معلوم تو ہے کہ کام کس طرح کرنا چاہیے۔ اس کے مقابلے میں آپ کے خیالات میں خوبصورتی اور پاکیزگی ہے، آپ پر ولیوں کا گمان ہوتا ہے اور آپ جنت کی مخلوق معلوم ہوتے ہیں لیکن کیا آپ معیشت کو پرانے سرمایہ داروں کی طرح بحسن و خوبی چلاسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں ---- یہ وہ پہلا سبق ہے جو پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کو ملا ہے کہ ہم معیشت کو نہیں چلاسکتے" (سلیکٹڈ ورکس جلد سوم صفحہ ۶۷۹)

" ماسکو میں ۴۷۰۰ کیمونسٹ ذمہ دار عہدوں پر ہیں اس کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ ہم بیوروکریسی کو نہیں چلا رہے بلکہ وہ ہمیں چلا رہی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہمارے مفتوحین کا کلچر غلط اور گندہ ہے لیکن یہ ہمارے کیمونسٹ ایڈمنسٹریٹروں کے کلچر کے مقابلہ میں بلند سطح رکھتا ہے" (سلیکٹڈ ورکس جلد سوم صفحہ ۶۹۱)

" ہمارے یہاں نوکر شاہی پھر واپس آگئی ہے اور ہم نے اعتراف کرلیا ہے کہ نوکر شاہی کا پھر جنم ہوا ہے کیونکہ حقیقی سوشلسٹ سماج کے لئے حالات سازگار نہیں ہیں" (امن کے مسائل صفحہ ۱۸۵)

" سرکاری افسروں نے ہمیں سبوتاژ کیا، ہم بہت ہی خوفزدہ ہوگئے۔ ہم نے ان سے عاجزی اور منت سے کہا کہ حضرات واپس آیئے، یہ سب واپس آگئے لیکن یہ بھی بدقسمتی کی بات ثابت ہوئی" سلیکٹڈ ورکس جلد سوم صفحہ ۷۶۴)

" نوکر شاہی نے ہمارے سیاسی نظام میں ناسور کی حیثیت اختیار کرلی ہے۔ اپنی پارٹی کی دستاویز میں ہمیں یہ بات تسلیم کرنی پڑی" (امن کے مسائل لینن ۲۳۲)

روسی انقلاب کے بعد حکومت کی اصل حیثیت یہ رہی کہ وہ بیرونی طور پر ایک نو آبادیاتی نظام تھا، اندرونی لحاظ سے اسے بیوروکریسی چلا رہی تھی اور یہ دونوں ہی عامل روس کو زوال کی جانب لے جانے والے تھے۔ آج اس ادبار کی تصویر ہر کوئی دیکھ سکتا ہے لیکن بنیادی طور پر تجزیہ کیا جائے تو کیمونزم کی عالمی اور بین الاقوامی تحریک کے خاتمے کی بارہ (۱۲) وجوہات صاف نظر آتی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

☆ مارکس سے پہلے سوشلزم ایک نظریہ تھا اور اس کے ماننے والے بھی بہت تھے لیکن مارکس نے اس نظریہ کو ایک "مذہب" بنا لیا اور اس کا ایک سخت جامد اور بے لچک فلسفہ مقرر کیا مگر اس فلسفہ کی نظریاتی اساس روز بروز غلط ثابت ہوتی چلی گئی۔ آخر کار روس ہو یا چین، مارکس ازم سے انحراف کے سوا کسی کے لئے چارہ نہیں رہا تھا لیکن منحرف ہونے میں پہلے بڑی دیر کردی گئی اور پھر بہت جلد بازی دکھائی گئی۔

☆ روس سوشلزم کو نہیں سامراج کو چلا رہا تھا۔ عالمی جنگوں کے بعد یہ سامراج مشرقی یورپ پر بھی محیط ہوگیا اور سامراج کے خلاف آوازوں کو روسی ٹینکوں کی یلغار تلے دبا دیا گیا۔ جس طرح روس، ہنگری اور چیکوسلواکیہ پر چڑھ دوڑا، وہ اس کے سامراج ہونے کا ناقابل تردید ثبوت تھا۔ اس سامراجیت نے سوشلزم کو روسیاہ کیا۔

☆ روس میں ایسی اقتصادی صلاحیت نہیں تھی کہ وہ سامراج بننے کا خرچہ برداشت کرلیتا۔ برطانیہ بھی جنگوں کے بوجھ تلے آیا تو دب کررہ گیا۔ روس کو عالمی جنگ کے علاوہ ایک طویل سرد جنگ کے اخراجات برداشت کرنے پڑے اور ایٹمی

میزائلی جنگ کے لئے امریکہ کے برابر خرچہ کرنا پڑا جبکہ اس کی معیشت امریکہ سے بڑی نہیں تھی۔

☆ روس کو دنیا بھر کی کیمونسٹ تحریکوں کو مالی مدد فراہم کرنی پڑی۔ شمالی کوریا' ویت نام' کمبوڈیا' صومالیہ' یمن' شام وغیرہ کے اخراجات کے ساتھ مشرقی یورپ کو قابو میں رکھنے کے اخراجات علیحدہ تھے۔ ان کو رعایتی قیمت پر تیل اور اسلحہ دینا ہوتا تھا۔ امریکہ تو اسلحہ کے کاروبار میں کماتا تھا لیکن روس سیاسی مصلحتوں کے تحت بہت کم قیمت پر یا مفت اسلحہ دیتا تھا۔ یہ سارا بوجھ زیادہ عرصہ برداشت نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اور ان اخراجات نے اسے دیوالیہ کردیا۔ تجارت بھی سیاسی مصلحتوں کی بنا پر ہوتی تھی اور مختلف ملکوں مثلاً بھارت وغیرہ سے خواہ مخواہ کا مال لینا ہوتا تھا۔

☆ دنیا میں بیورو کریسی کی حکومت ہر جگہ بدترین حکومت ہوتی ہے لیکن دوسرے معاشروں میں بیورو کریسی کو لگام دینے کے لئے آزاد سیاست اور صحافت موجود ہوتی ہے جبکہ روسی معاشرہ میں بیورو کریسی مختار مطلق تھی' بے لگام تھی اور اسے کوئی آئینہ دکھانے کی جرات نہیں کرسکتا تھا اس لئے اس کی فکر و نظر بہت تنگ اور محدود رہی' وہ آنے والے دور کا احاطہ نہیں کرسکی اور حالات کے مطابق تبدیلیاں پیدا کرنے سے قاصر رہی۔

☆ روس میں لوگ نظام جبر کے زار کے زمانے سے عادی تھے۔ جمہوریت کا سورج اس ملک میں کبھی طلوع ہی نہیں ہوا تاہم صرف جبر کی بنیاد پر کوئی نظام چلایا نہیں جاسکتا اس لئے عوام کو مطمئن کرنے کی غرض سے ایک مصنوعی سبسڈائزڈ معیشت اختیار کی گئی۔ آٹے' انڈے' دودھ اور گوشت سے لے کر ہوٹلوں میں قیام اور ہوائی سفر کے ٹکٹ تک ہر چیز روسی شہریوں کو سبسڈائزڈ قیمتوں پر ملتی تھی اور نقصان قومی خزانہ سے پورا کیا جاتا تھا۔ قومی خزانہ اس بوجھ کو ملکی صنعت و زراعت پر منتقل کردیتا تھا اور اس طرح سے صنعت و زراعت روز بروز زیادہ نقصان دہ ہوتی چلی گئی۔ یہ نقصان اب انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ سبسڈائز معیشت کے خاتمے کے بعد اب جبکہ اشیا کی اصل قیمتیں متعین ہورہی ہیں تو ہر جگہ صف ماتم بچھ گئی ہے۔

☆ جبر کے نظام کو چلانے کے لئے آہنی دیوار ضرور تھی۔ روسی عوام کو بقیہ دنیا کی کچھ خبر نہیں تھی' وہ ہر لحاظ سے الگ تھلگ کردیئے گئے۔ اس خول میں بند رہنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے ذہن بھی بند ہوگئے اور کسی شعبہ میں وہ جدت آفرینی یا کوئی نیا رویہ نہیں اپنا سکے' لکیر کے فقیر بنے رہے اور معاشرہ پر جمود طاری رہا۔

☆ معاشرہ میں مادی اشیا کو عام اور سستا کیا گیا' تعلیم' صحت' تفریح اور ضروریات زندگی کی فراہمی میں قابل تعریف کاوش ہوئی لیکن انسان کو روٹی کی نہیں' ایمان کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ سوشلزم یہ روحانی ضرورت پوری نہیں کرسکا اور ایک خلا رہا جس کو لوگ چوری چھپے کے مذہب سے پر کرنے کی کوشش کرتے تھے مگر تسکین نہیں ہوتی تھی۔ مذہب کی یہ پیاس آج بہت واضح ہے۔ حکمرانوں نے لامذہبیت پھیلانے کے لئے رقم اور توانائی بڑے پیمانہ پر ضائع کی مگر وہ انسانوں کو مذہب کے بغیر رہنے پر آمادہ نہیں کرسکے۔ اس ناکامی نے بھی سوشلزم کو دھچکا لگایا۔

☆ روس نے چین کے ساتھ جھگڑا طے نہ کیا اور اسے انتہا پر پہنچا دیا۔ اس میں اس کی بھارت پرستی کو بھی دخل تھا اور اپنے آپ کو چین پر مسلط کرنے کی خواہش کا بھی۔ روسی چینی جھگڑے نے دنیا بھر میں کیمونسٹوں کی قوت کو منقسم اور باہم متصادم کردیا۔

☆ روسی انقلاب میں یہودیوں کا ہاتھ تھا لیکن پچھلے عشروں میں یہودی روس کی تخریب کے لئے کام کرنے لگے۔ انہیں زار کی عیسائی سلطنت کے خاتمہ کے بعد سوشلسٹ حکومت کی ضرورت نہیں تھی۔ روس میں ادب اور کلچر میں لبرل ازم کے نام پر تحریکات اور شخصیات بیشتر یہودی رہی ہیں۔ اس صیہونی طاقت نے روس کو اندر اور باہر سے توڑنے کے لئے سرگرمی سے کام لیا۔ انہیں روسی معاشرہ کے تمام دکھی لوگوں کا پتہ تھا اور ان کا تعلق امریکہ کے عالمی سرمایہ داری نظام سے گہرا تھا۔ خود روس کے اندر بھی یہ اہم مقام اور منصب کے حامل تھے اور اپنا کام خاموشی سے متواتر کرتے رہے۔

☆ روسی انقلاب کی ایک ناکامی یہ بھی تھی کہ دنیا میں چین کے علاوہ کہیں اور کیمونسٹ انقلاب کسی ایسے ملک میں نہیں آیا جو اہمیت رکھتا ہو۔ سرد جنگ کی سیاست میں صومالیہ' کیوبا' یمن' الجزائر اور لیبیا سے فوجی گٹھ جوڑ کیا گیا مگر کیمونسٹ کسی جگہ عوامی انقلاب نہیں لاسکے۔ اس طرح ان کا انقلاب یکہ و تنہا ہوگیا اور بعد میں چین سے بھی اس کا تعلق ٹوٹ گیا۔ جو عالمی کیمونسٹ تحریکیں چلتی رہیں ان کے چلانے والے کہیں بھی اول درجے کے رہنما نہیں تھے۔ ابتدا میں مخلصین کا ایک گروہ ہر جگہ ضرور تھا لیکن اس کی ذہنی سطح بہت پست تھی اور بعد میں سارا لیفٹ امریکہ کے ہاتھوں استعمال ہوتا رہا یا بلاوجہ کے ہنگامے کرتا رہا جس سے روس کے لئے بین الاقوامی تعلق میں نئے بگاڑ اور مسائل کھڑے ہوگئے۔

☆ روس کے زوال میں افغانستان کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ امریکہ نے اپنے آلہ کار کیمونسٹوں اور لیفٹ کے ذریعہ روس کو پھانسنے کے لئے افغانستان میں جال بنایا اور دس سال تک روس اس جال میں تڑپتا رہا۔ اس عرصہ میں اس کی دولت اور عزت کا مسلسل نقصان ہوتا رہا اور داخلی طور پر بھی افغانستان میں روس کی ناکامی اور پسپائی کے اثرات مترتب ہوئے۔

روس اور سوشلزم کی یہ ناکامی دراصل ناکامی نہیں ہے کہ پھر سنبھل کر کسی کامیابی کا امکان ہو۔ اب سوشلزم بھی ختم ہوا اور روس بھی' دونوں کی باقیات کچھ عرصہ فضا میں شور برپا کرتی رہیں گی لیکن جو ہونا تھا' ہوگیا اور تاریخ کے قبرستان سے نہ اب سوشلزم کا مردہ پھر برآمد ہوسکے گا نہ روسی سامراج۔ مگر نظام سرمایہ داری بھی آخری ہچکیاں لے رہا ہے اور یہی وقت ہے کہ ہم اسلامی تحریک اور اسلامی انقلاب کے نظریات کو دنیا کے سامنے بہ طریق احسن رکھیں اور ایسا ہو تو اسلام کا جہاں نو ضرور پیدا ہوگا۔ ○○

ڈاکٹر اسرار احمد
کی تالیف
استحکام پاکستان
اشاعت خاص — ۵۰/- روپے
اشاعت عام — ۳۰/- روپے
[illegible]
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن فون: ۸۵۶۰۰۳

ہمیں تو علیٰ وجہ البصیرت معلوم ہے کہ "جا ایں جاست"

جز دار اگر کوئی مفر ہو تو بتاؤ!

صرف وعظ و نصیحت اور تعلیم و تلقین یا کچھ اور بھی؟

ڈاکٹر اسرار احمد

(نوائے وقت کے شکریے کے ساتھ)

"منہج انقلاب نبویؐ" کی وضاحت کے سلسلہ میں آگے بڑھنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک نظر ان خیالات پر بھی ڈال لی جائے جو ہماری معروضات پر تنقید اور تبصرے کے ضمن میں محترم ڈاکٹر محمد امین صاحب کی اس تحریر میں سامنے آئی ہیں جو "نوائے وقت" میں دو اقساط میں شائع ہوئی ہے' اس لئے کہ اس میں انہوں نے نہایت اختصار لیکن جامعیت کے ساتھ ایک خاص مکتب فکر کی کامل ترجمانی کردی ہے جس سے قارئین کے لئے اس کے بارے میں رائے قائم کرنا آسان ہوگیا ہے۔جس کے لئے ہم ان کے ممنون ہیں ۔ ڈاکٹر صاحب موصوف اس اعتبار سے بھی ہمارے شکریئے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے پوری دیانتداری کے ساتھ ایسے بہت سے خیالات و نظریات کی علیحدہ علیحدہ تصویب و تائید کردی ہے جن کو اگر جمع اور مرتب کرلیا جائے تو "منہج انقلاب" کی مکمل تصویر سامنے آجاتی ہے!

فالحمدللہ علی ذالک!

تھوڑی سی شکایت ڈاکٹر صاحب سے اس اعتبار سے ہے کہ انہوں نے اپنی تحریر کا بہت سا حصہ اولاً کچھ اصول فقہ کے غیر متعلقہ مباحث اور ثانیاً کچھ ایسی باتوں کی نذر کر دیا ہے جن پر کوئی اختلاف ہے ہی نہیں! اور انداز بھی ایسا اختیار کیا ہے جس سے قارئین کو وہم ہوجائے کہ شاید ہمیں ان سے اختلاف ہے ۔ اور اس کے نتیجے میں ان کا ذہن اصل مسئلے کی جانب متوجہ ہی نہ ہوسکے!

اس بات میں تو ہرگز کسی اختلاف کی گنجائش نہیں ہے کہ انفرادی سطح پر ایک مسلمان کے دینی فرائض یہی ہیں کہ وہ اپنے عقائد کی تصحیح اور ایمان میں اضافے کے لئے مسلسل کوشاں رہے' صوم و صلوۃ اور دیگر جملہ فرائض و واجبات پابندی سے ادا کرتا رہے' حلال پر اکتفا کرے اور حرام سے اجتناب کرے' اور حتیٰ المقدور اور حسب صلاحیت دوسروں کو خیر کی دعوت دیتا رہے' نیکیوں کی تلقین کرتا رہے' بدی سے روکتا رہے وقس علی ذالک!

لیکن اب ذرا ایک نظر اجتماعی نظام اور اس کی اہمیت پر بھی ڈال لینی چاہیے اور حسب ذیل سوالات پر غور کرنا چاہیے:

۱)۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ عہد حاضر کا انسان اجتماعی نظام میں جس طرح جکڑا ہوا ہے پہلے کبھی نہ تھا' چنانچہ موجودہ دور میں جو بھی پولیٹیکو سوشیو اکنامک سسٹم کسی ملک اور معاشرہ میں قائم ہو اس کا ہمہ گیر اور ہمہ جہت جبر ہر انسان کو اپنے چنگل میں پوری طرح لیتا ہے؟۔!

۲)۔ پھر کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اگر یہ نظام اجتماعی' جبر و استبداد' اور ظلم و استحصال پر مبنی ہو جس سے انسان ایک جانب "مستکبرین" اور "مستضعفین" میں اور دوسری جانب "مترفین" اور "محرومین" میں تقسیم ہو کر رہ جائیں تو اس صورت میں انفرادی دعوت و تبلیغ اور وعظ و تلقین کا دائرہ بہت محدود' اور اثرات تقریباً معدوم ہو کر رہ جاتے ہیں؟ مثلاً کیا شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا یہ تجزیہ درست نہیں ہے کہ جس معاشرے میں تقسیم دولت کا نظام غلط ہوجائے وہاں ایک جانب دولت کے انبار لگ جاتے ہیں جس سے عیاشیاں اور بدمعاشیاں جنم لیتی ہیں' اور دوسری جانب عوام کی عظیم اکثریت ڈھور ڈنگر اور باربرداری کے جانور بن کر رہ جاتی ہے اور ان کے لئے کسی اعلیٰ خیال تک رسائی ہی محال ہوجاتی ہے' کجا اللہ کی معرفت کا حصول اور اس سے لو لگانے کا معاملہ!

۳)۔ اگر ان دو سوالات کا جواب اثبات میں ہے' تو کیا اس استبدادی اور استحصالی نظام کا خاتمہ ضروری نہیں ہے؟ اور کیا اس کی جگہ عدل و قسط پر مبنی اور سماجی انصاف کی ضمانت دینے والا نظام قائم کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت نہیں ہے؟ اور کیا کتاب و سنت اس بارے میں بالکل خاموش ہیں؟ کیا سورۂ حدید کی آیت نمبر ۲۵ میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ: "ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں اور تعلیمات کے ساتھ بھیجا' اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (یعنی عدل اجتماعی کی ضمانت دینے والی شریعت) نازل کی' تاکہ لوگ عدل و انصاف پر قائم ہوں ۔ اور ہم نے لوہا بھی اتارا' جس میں جنگ کی شدید صلاحیت ہے' اور لوگوں کے لئے دوسرے فائدے بھی ہیں --- تاکہ اللہ دیکھے کہ کون ہیں وہ (وفادار بندے) جو غیب کے باوجود اللہ اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں ۔" اور کیا سورۂ نساء اور سورۂ مائدہ کی ان آیات مبارکہ میں امر کا صیغہ وارد نہیں ہوا کہ "اے اہل ایمان عدل و قسط کو پوری قوت کے ساتھ قائم کرنے والے اور اللہ کے حق میں گواہی دینے والے بنو" (نساء: ۱۳۵) اور "اے اہل ایمان' اللہ کے لئے پوری طاقت کے ساتھ کھڑے ہوجاؤ' عدل و انصاف کے گواہ بن کر!" (مائدہ: ۸) اور اگر ان میں امر کا صیغہ ہی استعمال ہوا ہے تو آیا ان سے وجوب ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

۴)۔ پھر اگر ان سوالات کے جوابات بھی

اثبات میں ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسے اہم مقاصد کے لئے طریق کار اور لائحہ عمل کی رہنمائی سے کتاب و سنت خالی ہیں؟ اور کیا اسوۂ رسولؐ صرف داڑھی کے طول اور پائجاموں کی اونچائی ہی سے متعلق ہے یا اس اہم انسانی اور دینی فریضے کے ضمن میں بھی رہنمائی کرتا ہے؟ یقیناً کسی مسلمان کا خیال یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ سنت اور اسوۂ رسولؐ صرف ظاہری وضع قطع تک محدود ہیں اور اگر خدانخواستہ ہو تو اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ ۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کرگیا۔

ورنہ

گلشن میں علاج تنگی داماں بھی ہے!

۵)۔ پھر کیا یہ واقعہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالفعل یہ کارنامہ سرانجام دیا کہ انسانوں کے مابین اونچ نیچ، جبر و استبداد اور ظلم و استحصال کی جڑ کاٹ کر رکھ دی اور "دین الحق" یعنی نظام عدل و قسط کو قائم کر کے دکھا دیا؟ اگر یہ حقیقت واقعی کسی مسلمان کو نظر نہ آئے تو سوائے ماتم کے اور کیا کیا جا سکتا ہے کہ ۔" جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے، باغ تو سارا جانے ہے!" اس لئے کہ اغیار اور اعداء سمیت پوری دنیا تو اس عظیم حقیقت کا برملا اعتراف کرتی ہے!

اب اگر یہ ساری باتیں صحیح ہیں، تو ہمارا "دعویٰ" صرف یہ ہے کہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس عظیم انقلاب کے طریق کار اور لائحہ عمل کا واحد منبع اور سرچشمہ ہے، لہٰذا ہم اس کی جانب رجوع اس مجبوری کے تحت کررہے ہیں کہ ۔ " جزدار اگر کوئی مفر ہو تو بتاؤ ۔ ناچار گنہگار سوئے دار چلے ہیں!" تاہم اگر کسی کے پاس کوئی متبادل لائحہ عمل ہو تو لائے اور پیش کرے ۔" آئے یہ گوئے ہے، اور یہ چوگان!" -- ہمیں تو علیٰ وجہ البصیرت معلوم ہے کہ " جا ایں جاست "---- اور --- " بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست ۔ اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است!" کے مطابق سیرت النبیؐ کے راستے کے سوا سارے راستے کسی نہ کسی دوسری منزل کی جانب لے جانے والے ہیں، اللہ کے عطا کردہ نظام عدل و قسط کے قیام کی جانب نہیں!۔"ترسم کہ بہ کعبہ نہ رسی اے اعرابی ۔ کیں راہ کہ تو می روی بہ ترکستان است!"

ہاں اس کے ہم بھی یقیناً قائل ہیں کہ بدلے ہوئے حالات کے [illegible] ضرورت ہو اجتہاد سے کام لیا جانا چاہیے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب نے تو صرف ایک فرق کی جانب توجہ دلائی ہے کہ آنحضورؐ نے کام کفار میں کیا تھا، اب ہمیں مسلمانوں میں کرنا ہے، ہمارے سامنے تو دو امور اور بھی ہیں یعنی ایک یہ کہ آنحضورؐ کے زمانے میں عرب میں کوئی منظم حکومت قائم نہیں تھی اور مسلح تصادم کے آغاز کے وقت بھی اسلام اور کفر کی طاقت میں نسبت تناسب (تعداد اور اسلحہ کے فرق دونوں کے مجموعی اعتبار سے) ایک اور دس سے زیادہ کا نہیں تھا جبکہ آج جو پولیٹیکو سوشیو اکنامک سسٹم قائم ہیں ان کی پشت پر بے پناہ قوتوں سے مسلح مقامی حکومتیں ہی نہیں عظیم عالمی قوتیں بھی ہیں جن کے ساتھ عوام کے مسلح تصادم کا معاملہ تقریباً محال کے درجہ میں آچکا ہے --- اور دوسرے یہ کہ آج بحمد اللہ شہریوں کے بنیادی حقوق کا تصور موجود ہے جو اس وقت نہیں تھا ۔ چنانچہ مسلح تصادم سے کم تر ذرائع سے بھی "انقلاب" برپا کیا جاسکتا ہے ۔ لیکن ان امور کے ضمن میں ہمارا موقف یہ ہے کہ "منہج انقلاب نبویؐ" کو اصل اور بنیاد قرار دے کر معین طور پر طے کرنا ہوگا کہ کس ضرورت کے تحت اس میں کس مقام پر کیا اجتہادی تبدیلی ضروری یا مناسب ہے! اور یہ طرز عمل قطعاً غلط ہوگا کہ ان تین امور کی اساس پر نبویؐ طریق کو سرے سے ترک کر کے پورا نقشہ کار اپنے ذہن و فکر اور اپنی ترجیحات کی بنیاد پر وضع کردیا جائے ---- ان امور پر ان شاء اللہ العزیز آئندہ مفصل گفتگو ہوگی ۔ اس وقت تو یہ ڈاکٹر صاحب کی جانب سے قبل از مرگ واویلا والی بات ہے!

الحمد للہ کہ ڈاکٹر صاحب نے بعض باتیں بہت صحیح اور بالکل درست فرمائی ہیں اور اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کو جمع کر لیا جائے اور ان کے درمیان حکیمانہ تالیف و تدوین کی صورت پیدا کردی جائے مثلاً:

۱) ایک یہی بات کہ "سیاسی اور تمدنی ارتقاء کے حوالے سے مغرب نے ایسے تجربے ضرور کئے ہیں جو اسلامی اصولوں کے خلاف نہیں!" ہمارے نزدیک یہ بات اس اعتبار سے بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ مغرب کے ان تجربات ہی کے ذریعے "انسانی حقوق" کا وہ تصور دنیا میں دوبارہ پیدا ہوا جو مسلمانوں میں ملوکیت کے رواج کے بعد دنیا سے لیکن سوال یہ ہے کہ ان تجربات کے لئے مغرب والوں نے کوئی جدوجہد کی تھی یا نہیں اور اپنا خون بھی دیا تھا یا نہیں؟ اور یہ انسانی سعی و جہد اور ایثار و قربانی کے ذریعے ہوئے تھے یا خود بخود آسمان سے ٹپک پڑے تھے ۔ اور کیا یہ فرائض اب بھی صرف مغرب ہی کے لئے ہیں اور ہمارے لئے " فقط اللہ ہو، اللہ ہو " ہی ہے! بینوا توجروا!

۲)۔ اسی طرح یہ بات بھی نظری طور پر صد فی صد درست ہے کہ "اگر کسی ملک کے عوام کی اکثریت اسلامی تحریک کی پشت پر ہو تو بلٹ کی بجائے یہ انقلاب بیلٹ کے ذریعے بھی آسکتا ہے، اور جلسے جلوسوں، مظاہروں اور سول نافرمانی کے ذریعے بھی آسکتا ہے جو آج کے سیاسی منظر میں قابل قبول ہے!" اگرچہ واقعی اعتبار سے اس لئے مغالطہ آمیز ہے کہ عوام کی اکثریت کبھی نہیں بدلا کرتی بلکہ ہمیشہ "خاموش اکثریت" (سائلنٹ میجارٹی) کی صورت اختیار کئے رہتی ہے اور انقلاب ہمیشہ ایک منظم اور تن، من، دھن قربان کرنے والی اقلیت کے ذریعے آتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کے انتخابات کے ذریعے کوئی انقلاب، یعنی پولیٹیکو سوشیو اکنامک سسٹم میں کوئی اساسی تبدیلی نہیں لائی جاسکتی، اس لئے کہ انتخابات میں "تعداد" ہی فیصلہ کن ہوتی ہے --- لہٰذا واحد ممکن راستہ دوسرا ہی رہ جاتا ہے یعنی مظاہروں اور سول نافرمانی کا جس کے کم از کم "جواز" بلکہ غالباً استحباب کا فتویٰ خود ڈاکٹر صاحب نے صادر فرمایا دیا ہے، فجزاہ اللہ احسن الجزاء

۳)۔ اسی طرح یہ بات بھی صد فی صد درست ہے کہ "جمہور فقہاء نے ایک غیر آئینی یا غیر معیاری مسلم حکومت کے خلاف صرف اس صورت میں خروج (مسلح تصادم) اور مزاحمت کی اجازت دی ہے جب خروج کے لئے اٹھنے والوں کے پاس اتنی سیاسی اور عسکری طاقت موجود ہو کہ ان کے غلبے کے امکانات غالب ہوں اور پھر ان میں اتنی صلاحیت نمایاں طور پر نظر آتی ہو کہ وہ غیر صالح نظام کو اکھاڑ کر اس کی جگہ ایک نیا صالح نظام قائم کرسکیں!" لیکن سوال یہ ہے کہ سیاسی اور عسکری قوت کیا از خود آسمان سے نازل ہوجائے گی یا انسانی کوشش کے ذریعے فراہم کی جائیگی اور اسی طرح مطلوبہ صلاحیت بھی آن واحد

میں پیدا ہوجاسکیں یا اس کے لئے بھی پیہم جدوجہد لازمی ہوگی ' اور کوئی نظام تعلیم و تزکیہ مرتب کرنا پڑے گا؟ اگر جواب یہ ہے کہ یہ سب کچھ کوشش اور جدوجہد کے ذریعے ہی حاصل ہوسکتا ہے تو یہی تو سیرت نبویؐ سے ماخوذ طریق انقلاب کے ابتدائی تین مراحل ہیں یعنی (i) دعوت و تبلیغ کے ذریعے انسانوں کی افرادی قوت کی فراہمی (ii) تنظیم کے ذریعے انہیں ایک اجتماعی طاقت اور "بنیان مرصوص" بنانا اور (iii) تعلیم و تزکیہ کے ذریعے ان میں مطلوبہ صلاحیت پیدا کرنا !---- اور ہم تو مسلح تصادم کو تو بحالات موجودہ تقریباً خارج ازامکان سمجھتے ہیں' مظاہروں اور سول نافرمانی کے آغاز سے قبل بھی ان تین مراحل کے موثر حد تک پورے ہوجانے کے شدت کے ساتھ قائل ہیں! تو پھر اختلاف ہے کہاں؟

گویا بات وہی ہے جو ہم عرض کرچکے ہیں کہ ڈاکٹر محمد امین صاحب علیحدہ علیحدہ طور پر ہماری ہر بات کی تصویب کررہے ہیں ' البتہ ان کو جمع کرکے، ایک وحدت کی صورت دینے سے جو معاملہ سامنے آتا ہے اس سے کنی کترانا چاہتے ہیں ۔ ہم ان کے ممنون ہیں کہ انہوں نے ہماری رائے کی نہایت صحیح اور جامع تعبیر فرمائی یعنی :" ڈاکٹر صاحب کے فلسفہ انقلاب کی تلخیص یہ ہے کہ یہ سادہ تبلیغ سے شروع ہو کر تنظیم و تربیت اور کشاکش و مزاحمت کے مراحل سے گزرتا ہوا تخت یا تختہ کی جنگ پر منتج ہوتا ہے جس میں یا تو انقلابی گروہ کامیاب ہو کر اسلامی انقلاب برپا کردیتا ہے یا ناکام ہوکر مظلومانہ شہید ہوجاتا ہے لیکن اللہ کی راہ میں سرخرو ہوجاتا ہے "---- لیکن حیرانی اس بات پر ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اسے غلط قرار دے کر' پھر اس کے ایک ایک جزو کی تصویب بھی فرمادی ہے ! اسی طرح یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ڈاکٹر صاحب "تخت یا تختہ" سے اس قدر الرجک کیوں ہیں جبکہ یہ تو عام محاورہ ہے کہ " یا تختہ جگہ آزادی کی ' یا تخت مقام آزادی کا!" پھر خود ڈاکٹر صاحب نے ایران کے انقلاب کی بھی تصویب کی ہے ' تو کیا وہاں تخت یا تختہ کا معاملہ نہیں تھا اور کیا جناب آیت اللہ خمینی کامیابی کی صورت میں "تخت حکومت" پر متمکن نہیں ہوگئے تھے ' اور اگر وہ ناکام ہوجاتے تو کیا پھانسی کے تختے کے سوا ان کا کوئی اور مقام ہوتا ؟---- پھر وہ تاریخ اسلام کے صدر اول کے واقعات و حوادث میں سے حسینؓ ابن علیؓ اور عبداللہؓ ابن زبیرؓ (رضی اللہ عنہم اجمعین) کی مساعی کو بھی ' بحمداللہ ' بنظر استحسان دیکھتے ہیں تو کیا وہاں تخت یا تختہ والا معاملہ نہیں ہوا ؟---- اب ذرا ایک قدم مزید پیچھے چلے جائیں اور ۱۶ار اور ۱۷ار رمضان المبارک ۲ھ کی درمیانی شب کی کیفیت پر غور کریں جب فخر موجودات و سید البشر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے طویل ترین سجدے میں دعا کررہے ہیں تھے کہ : اے اللہ اگر کل یہ مٹھی بھر مسلمان جو میری پندرہ برس کی کمائی ہیں ' سب قتل ہوگئے تو پھر قیامت تک تجھے پوجنے والا کوئی نہیں ہوگا!---- تو کیا اس وقت معاملہ تخت یا تختہ کا نہیں تھا ؟---- بینوا توجروا!

حاصل کلام یہ کہ " منہج انقلاب نبویؐ " کا ایک ایک جزو اپنی جگہ اتنا حتمی و قطعی '---- واضح و بین ' اور ظاہر و باہر ہے کہ ہر مسلمان خواہی نخواہی اسے جانتا بھی ہے اور مانتا بھی ' حتیٰ کہ جو لوگ اس کی نفی کے لئے قلم اٹھاتے ہیں وہ بھی مجبوراً اس کی تائید ہی کرتے ہیں ' لیکن اصل معاملہ وہ ہوا ہے کہ ۔" اڑائے کچھ ورق لالہ نے ' کچھ نرگس نے ' کچھ گل نے -- چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری!" کے مصداق اس کل کے اجزاء منتشر ہوگئے ہیں' اور اب ضرورت صرف ان کی تالیف اور تدوین کی ہے تاکہ وہ ایک وحدت کبریٰ اور حیاتیاتی اکائی کی حیثیت سے ابھر اور نکھر کر نگاہوں کے سامنے جلوہ گر ہوجائے ' جس سے ان شاء اللہ بہت سے ایسے مخلص لوگوں کی آنکھیں کھل جائیں گی جو اس وقت غلط فہمی میں ادھر ادھر کی پگڈنڈیوں میں بھٹک رہے ہیں ---- چنانچہ اسی کی کوشش ان کالموں میں کی جارہی ہے ---- وما توفیقی الا باللہ!

آخر میں ہم ڈاکٹر محمد امین صاحب اور ان کے طرز فکر کے حامل دوسرے لوگوں کی توجہ اس حقیقت کی جانب منعطف کرانا چاہتے ہیں کہ ---- اس وقت عالمی سطح پر ایک جانب تو " نیو ورلڈ آرڈر" کے قیام کی جانب پیش قدمی ہو رہی ہے جو فی الواقع " جیو ورلڈ آرڈر" ہے ' اور دوسری جانب اقتصادی اعتبار سے پوری دنیا دو حصوں میں منقسم ہے جن میں سے ایک کو ترقی یافتہ اور دوسرے کو ترقی پذیر قرار دیا جاتا ہے ' ایک عرصے تک اس تقسیم کو شمال اور جنوب کی کشمکش سے بھی تعبیر کیا جاتا رہا۔ اور اب مقدم الذکر کو " جی - سیون " کے کوڈ ورڈ کی صورت دے دی گئی ہے ۔ ان کم و بیش سات ممالک نے اپنے اپنے معاشروں میں ایک جانب کم از کم دستوری اور قانونی سطح پر "انسانی حقوق" کا تقدس بھی قائم کیا ہوا ہے ' اور دوسری جانب کسی نہ کسی حد تک عوامی بہبود کا اہتمام بھی کر رکھا ہے ۔ لیکن اس کے لئے وسائل یہ فریق ثانی یعنی ترقی پذیر یا غیر ترقی یافتہ ممالک کے جبری استحصال کے ذریعے حاصل کررہے ہیں ---- ادھر ان موخر الذکر ممالک کا حال یہ ہے کہ قومی سطح پر تو عالمی قارونوں کی لوٹ کھسوٹ کے باعث بھوکے اور ننگے ' غیر مہذب و غیر منظم ' اور مقروض اور بھکاری ہیں لیکن خود ان کے اندر بھی مترفین اور محرومین' اور مستکبرین اور مستضعفین کے طبقات موجود ہیں جو ایک طرف ایک دوسرے کے بھوکے ننگے جسموں سے رہا سہا گوشت بھی نوچ کھانے کی کوشش میں مشغول ہیں تو دوسری طرف ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے سیاسی دنگل میں مسلسل دھینگا مشتی میں مصروف و مشغول ہیں ۔

اب سوال یہ ہے کہ ۔" کچھ علاج اس کا بھی اے چارہ گراں ہے کہ نہیں ؟" کے مصداق اس صورت حال میں ہدایت ربانی کے امین ' اور دین حق کے علمبرداروں کا بھی کچھ فرض ہے یا نہیں؟ ---- کیا نوع انسانی کو اس حال میں چھوڑ کر مسلمانوں کو ۔" مست رکھو ذکر و فکر صبحگاہی میں اسے" اور ۔" پختہ تر کردو مزاج خانقاہی میں اسے !" ہی پر عمل پیرا رہنے کی تلقین کی جاتی رہے گی ' ---- اور وعظ و تلقین اور سلوک و ارشاد سے آگے بڑھ کر بھی بس درس و تدریس اور تصنیف تالیف ہی کا شغل جاری رکھا جائے گا ---- یا ۔" یہ گھڑی محشر کی ہے ' تو عرصہ محشر میں ہے" اور ۔" پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے!" کے مصداق میدان عمل میں کود کر سلطنت خدا داد پاکستان میں اس نظام عدل اجتماعی کے قیام کی سعی و جہد ضروری ہے جو ہمارے دین کا بنیادی تقاضا ہی نہیں اس ملک کے بقاء و استحکام کا واحد ضامن بھی ہے ---- اور اگر ایسا کرنا ہے تو پھر واقعہ یہ ہے کہ " منہج انقلاب نبویؐ کے سوا کوئی اور راستہ موجود نہیں ہے ---- لہٰذا ۔" چلے آؤ مسلمانو! یہی گلزار جنت ہے!۔" OO

غیر پھرتا ہے لئے خط کو ترے یوں کہ اگر
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

جماعت اسلامی... کاش اب بھی پلٹ آئے!

ہماری نہیں سنتے تو اپنے خیر خواہوں کی ہی سن لیجئے

عمر مختار

ہفتہ رفتہ میں لاہور کے روزنامہ "پاکستان" نے جماعت اسلامی میں داخلی اختلافات و انتشار کی تصویر ایک خبر کی صورت میں پیش کی جو یوں تھی:

لاہور (سلمان غنی سے) بانی جماعت اسلامی مولانا مودودی مرحوم کے دست راست اور جماعت اسلامی پاکستان کے سابق امیر میاں طفیل محمد نے اپنی جماعت کے موجودہ امیر قاضی حسین احمد کی پالیسیوں اور حکمت عملی سے شدید اختلاف کرتے ہوئے جماعت اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا ہے۔ جماعت اسلامی کے مرکز منصورہ میں ایک ذریعہ کے مطابق جماعت کے سابق امیر نے اپنا استعفیٰ مجلس شوریٰ کے حالیہ اجلاس میں پیش کردیا تھا۔ معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے اپنے استعفیٰ میں قاضی حسین احمد سے ان کی موجودہ پالیسیوں پر اختلاف کرتے ہوئے اسے بانی جماعت اسلامی مولانا مودودی کی تحریک اور فلسفے سے متصادم قرار دیا ہے۔ انہوں نے اپنے تحریری استعفیٰ میں الزام عائد کیا ہے کہ امیر جماعت اسلامی مولانا مودودی کے لائحہ عمل کو ترک کر کے شارٹ کٹ سے منزل حاصل کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں اور اپنے اس جذباتی طرز عمل میں وہ جماعت اسلامی کی مخصوص اقدار کو بھی نظر انداز نہیں کررہے بلکہ ان کی امارت اور سرپرستی میں ہونے والی بہت سی سرگرمیاں انتہائی غیر سنجیدہ اور خلاف دستور ہیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ میاں طفیل محمد کے استعفیٰ میں لگائے گئے الزامات کو مرکزی مجلس شوریٰ کے کئی دوسرے ارکان کی حمایت بھی حاصل ہے۔ اس طرح جماعت کی مجلس شوریٰ عملاً ذہنی اعتبار سے دو مختلف الخیال گروپوں میں تقسیم ہوگئی ہے۔

جماعت اسلامی کے مرکزی تنظیمی ڈھانچے میں شامل بعض ذمہ دار ارکان کے مطابق جماعت اسلامی کے موجودہ امیر اور سابق امیر کے درمیان اختلافات کا سلسلہ خلیجی جنگ کے دوران اس وقت شروع ہوا جب قاضی حسین احمد نے مرکزی مجلس شوریٰ کو اعتماد میں لئے بغیر جذباتی طور پر تشکیل پانے والی رائے عامہ سے متاثر ہو کر جماعت اسلامی کے دیرینہ حلیف سعودی عرب اور دوسرے عرب دوستوں کی کھلم کھلا مخالفت شروع کی اور جذباتی بیانات چھپوانا شروع کئے۔ اس موقع پر جماعت اسلامی کے شورائی ارکان اور موجودہ اور سابقہ امراء کے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات پاسبان تنظیم کی سرگرمیوں سے مزید بڑھ گئے ہیں۔ میاں طفیل محمد اور ان کے حامی اراکین شوریٰ پاسبان کی غیر سنجیدہ سرگرمیوں سے سخت نالاں ہیں اور ان کا موقف ہے کہ امیر جماعت اسلامی کا پاسبان کی سرپرستی کرنے کے باوجود اسے جماعت اسلامی سے لاتعلق ظاہر کرنا جماعت اسلامی کے بنیادی طریقہ کار اور اصول کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔ ان ذمہ دار ارکان کے مطابق پاسبان تنظیم کے بارے میں سابق امیر جماعت کا موقف یہ ہے کہ پاسبان تنظیم کے ذریعے امیر جماعت نے جماعت اسلامی کے مزاج اور طریقہ کار سے ہٹ کر جماعت کو جلد اور ہر حالت میں برسر اقتدار لانے کا پروگرام بنایا ہے جو کہ غیر دانشمندانہ اور مولانا مودودی مرحوم کے وضع کردہ طریق کار سے متصادم ہے۔ پنجاب کے ایک ضلعی امیر جو مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن بھی ہیں نے بھی میاں طفیل محمد کے استعفیٰ میں پیش کردہ موقف کی تائید کرتے ہوئے ضلعی امارت سے استعفیٰ دے دیا ہے۔ انہوں نے امیر جماعت اسلامی پنجاب حافظ محمد ادریس کو بھیجے گئے اپنے استعفیٰ میں استفسار کیا ہے کہ اگر پاسبان کا جماعت اسلامی سے کوئی تعلق نہیں تو پاسبان چلانے والوں کا بھی جماعت اسلامی سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ ایک کھلی بات ہے جس کو نہایت کم فہم انسان بھی سمجھ سکتا ہے۔ آپ خود آگاہ ہیں کہ کیا یہ تنظیم جماعت اسلامی کے افراد ہی نہیں چلا رہے؟۔ اس میں ارکان جماعت شامل نہیں ہیں، اگر ہیں اور یقیناً ہیں تو امیر جماعت اسلامی کا ۲۴ جولائی کو شائع ہونے والا بیان دیانت کے کس زمرے میں آتا ہے۔ مستعفی ہونے والے اس رکن شوریٰ نے اپنے استعفیٰ میں پاسبان تنظیم پر ریمارکس دیتے ہوئے کہا کہ "دستور جماعت میں بالکل واضح ہے کہ جماعت اسلامی کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرے گی جو پوشیدہ ہو اور جس سے فساد فی الارض پھیلنے کا خدشہ ہو۔ اس تنظیم میں ان دونوں باتوں کے شواہد موجود ہیں"۔ مستعفی ہونے والے ضلعی امیر نے امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد کو لکھے گئے ایک علیحدہ خط میں معاہدہ پشاور کے موقع پر امیر جماعت اسلامی کی تضاد بیانی کو بھی ہدف تنقید بنایا ہے اور کہا ہے کہ جناب نے معاہدہ پشاور کی پرزور مخالفت کی اور اسے امریکہ کی سازش قرار دیا لیکن بعد ازاں مجلس شوریٰ کے اجلاس میں اس پر عمل درآمد کی توثیق بھی کروائی۔ امیر جماعت قاضی حسین احمد کا طرز عمل کس بات کی غمازی کرتا ہے۔ امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد کو

نو وارد اراکین شوریٰ کی حمایت اور تائید حاصل ہے ۔ ان کا موقف ہے کہ اگر جماعت اسلامی اپنی ابتدائی روایتی پالیسیوں اور لائحہ عمل پر قائم رہی تو وہ اس عوامی تائید اور حمایت سے یکسر محروم ہو جائے گی جو اسے ۱۹۷۰ء میں وسیع پیمانے پر حاصل ہوئی اور جس کو قائم رکھنا اور اس میں اضافہ جماعت کی اشد ضرورت ہے" (روزنامہ پاکستان یکم ستمبر ۱۹۹۲ء)

اگلے ہی روز جماعت کے مستعد شعبہ تعلقات عامہ نے دو خبریں تقریباً سب اخبارات میں لگوادیں جو یہ تھیں:

"لاہور (پ ر) جماعت اسلامی پاکستان کے سیکرٹری جنرل چودھری محمد اسلم سلیمی نے ایک خبر کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ بات بالکل غلط اور من گھڑت ہے کہ میاں طفیل محمد سابق امیر جماعت اسلامی پاکستان نے قاضی حسین احمد امیر جماعت اسلامی پاکستان سے شدید اختلافات کی بناء پر جماعت اسلامی پاکستان کی مجلس شوریٰ کی رکنیت سے اپنا استعفیٰ مجلس شوریٰ کے حالیہ اجلاس میں پیش کر دیا تھا ۔ امرواقعہ یہ ہے کہ محترم میاں طفیل محمد نے شوریٰ کے منتخب رکن کی حیثیت سے جون کے تیسرے ہفتے میں ہونے والے اجلاس میں تین دن تک پوری طرح شروع سے آخر تک شرکت کی تھی البتہ ۲۰ جولائی کو میاں طفیل محمد نے مرکزی مجلس شوریٰ کی رکنیت کی ذمہ داری اٹھانے کا اپنے آپ کو متحمل نہ پاتے ہوئے امیر جماعت کو اپنا استعفیٰ بھجوایا تھا جس پر امیر جماعت اسلامی پاکستان قاضی حسین احمد نے ان سے مل کر بات چیت کی تو میاں صاحب اپنے استعفیٰ پر نظر ثانی کرنے کے لئے آمادہ ہوگئے تھے اس لئے امیر جماعت نے ان کا استعفیٰ منظور نہیں کیا ہے اور میاں طفیل محمد ابھی تک مرکزی مجلس شوریٰ اور مرکزی مجلس عاملہ کے رکن ہیں۔"

روزنامہ پاکستان ۲ر ستمبر ۱۹۹۲ء

"جماعت اسلامی کے سابق امیر میاں طفیل محمد نے کہا ہے کہ جماعت اسلامی ایک جمہوری جماعت ہے اور اسکی مجلس شوریٰ کے ۷۰ ارکان کا کسی بھی مسئلہ پر اختلاف رائے رکھنا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ گزشتہ رات جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ سے استعفیٰ کے بارے جنگ سے بات چیت کرتے ہوئے میاں طفیل محمد نے کہا کہ میں جب منتخب ہوا تھا تو میں نے اس وقت بھی کہا تھا کہ میں اتنا بڑا بوجھ اٹھانے کا متحمل نہیں ہو سکتا' آپ کسی اور کو امیر جماعت منتخب کریں۔ قاضی صاحب سے اختلاف کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں کہا کہ جماعت کی بعض پالیسیوں پر مجھے اختلاف ضرور ہے اور اس اختلاف کا ذکر میں موچی دروازے کے جماعت کے یوم تاسیس کے موقع پر کر چکا ہوں۔ میاں طفیل نے کہا کہ میں نے استعفیٰ پارٹی کی ذمہ داریاں احسن طریقے سے اٹھانے کا متحمل نہ ہونے کے باعث دیا تھا اور اس استعفیٰ میں موجودہ امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد سے اختلافات کا کوئی ذکر نہ تھا۔ جہاں تک استعفیٰ منظور ہونے یا نہ ہونے کا تعلق ہے یہ امیر جماعت کی صوابدید پر منحصر ہے۔ انہوں نے کہا کہ میرے مشورے کے بعد جماعت کے سیکرٹری جنرل اسلم سلیمی صاحب اس خبر کی پہلے ہی تردید کر چکے ہیں۔"

(روزنامہ جنگ لاہور ۲ر ستمبر ۱۹۹۲ء)

تین دن بعد روزنامہ پاکستان نے پھر ایک زور دار دھماکہ کیا جو مندرجہ ذیل ناقابل تردید خبر کی شکل میں ہے:

"لاہور (سلمان غنی سے) جماعت اسلامی پاکستان کے سابق امیر میاں طفیل محمد نے جماعت اسلامی کے موجودہ امیر قاضی حسین احمد پر جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کے فیصلوں اور شائع شدہ قراردادوں کی کھلم کھلا اور اعلانیہ خلاف ورزی کا الزام عائد کرتے ہوئے کہا ہے کہ انہوں نے شوریٰ کے فیصلوں کی خلاف ورزی کی لیکن ہر بار مجلس شوریٰ نے اپنا فرض کما حقہ ادا کرنے کی بجائے اندرون خانہ ہی کچھ باتیں کر کے معاملہ کو دفن کردیا۔ اس ڈھیل کے نتیجے میں نوبت اور حالات یہاں تک آپہنچے کہ جماعت اسلامی کی دینی بصیرت ساری دنیا کے سامنے کھل کر سامنے آگئی ۔ انہوں نے ان خیالات کا اظہار جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کے حالیہ اجلاس کے موقع پر اراکین شوریٰ کے نام ایک خط کے ذریعے کیا ۔ اس خط میں سابق امیر جماعت نے پارلیمنٹ میں منظور ہونے والے شریعت ایکٹ سے اپنے شدید اختلافات کا اظہار کیا ہے اور استفسار کیا ہے کہ کیا کوئی شخص شریعت الٰہی کے کسی ایک صریح اور قطعی حکم کا انکار یا اسے رد کر کے اسلام کے دائرہ کے اندر رہ جاتا ہے؟ چہ جائیکہ ایسا شخص اقامت دین کی علمبردار کسی جماعت میں شامل اور اس کی نمائندگی اور رہنمائی کے منصب پر فائز ہوسکے ۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ یہ قانون بنانے والے لوگ تحریک اور جماعت اسلامی میں بدستور شامل ہی نہیں اس کے اندر مختلف مناصب پر فائز ہیں ۔ انہوں نے کہا کہ یہ امرافسوس ناک ہے کہ جس گروہ اور جن لوگوں کو اس بارے میں سب سے زیادہ حساس ہونا چاہیے تھا یعنی جماعت اسلامی کے لوگ وہی توجہ دلانے کے باوجود سرتاسر کوتاہ ثابت ہوئے حالانکہ دوسرے اراکین اسمبلی و سینیٹر ہمارے امیر اور نائب امیر اور ارکان اسمبلی کے اس قانون کی تائید و حمایت کرنے کو ہی اس کے اسلامی اور ناقابل اعتراض ہونے کی سند کے طور پر پیش کرتے ہیں ۔ بانی جماعت اسلامی مولانا مودودی مرحوم کے اولین ساتھی نے اپنے اس خط میں کہا ہے کہ ہمارے یہ رہنما کسی پشیمانی کا اظہار کرنے کی بجائے الٹا اس شریعت ایکٹ کی وکالت اور اس کی حمایت میں دلائل پیش فرمارہے ہیں اور اس کے خلاف کوئی بات سامنے آنے سے روک رہے ہیں ۔ میاں طفیل محمد کے اس خط سے انکشاف ہوتا ہے کہ مولانا مودودی کے جاری کردہ رسالے ترجمان القرآن کی موجودہ انتظامیہ نے سرحد اسمبلی میں جماعت کے پارلیمانی لیڈر ڈاکٹر یعقوب خان اور جماعت اسلامی سرحد کے امیر مولانا گوہر رحمٰن کے شریعت ایکٹ کے خلاف تنقیدی مضامین کی اشاعت رد کردی اور وہ ترجمان القرآن کے کولڈ سٹوریج میں دھرے پڑے ہیں ۔ میاں طفیل نے اپنے خط میں اراکین شوریٰ سے کہا ہے کہ متذکرہ مضامین کی اشاعت روک کر مولانا مودودی کے جانشین اسی رسالہ میں اس کافرانہ قانون کے فضائل بیان کررہے ہیں ۔ انہوں نے اس خط میں کہا ہے کہ شریعت کورٹ کے فل بنچ کی جانب سے شریعت ایکٹ کی حقیقت اور اس کے بنانے والوں کی دینی حیثیت واضح کردینے کے بعد اگر جماعت اسلامی اور اس کی مجلس شوریٰ اب بھی حرکت میں نہیں آتی تو پھر یہ وہ جماعت نہیں جو ۳ر اگست ۱۹۴۱ء کو بنائی گئی تھی اور جو چالیس برس تک کام کرتی رہی اور اس میں ہم لوگ شریک تھے ۔ میاں طفیل محمد نے کہا کہ صریحاً غلط اور منافی دین و شریعت کاموں پر گرفت اور احساس ندامت کے برعکس ان کو صحیح اور مفید ثابت کرنے کے لئے جہاں خون پسینہ ایک کیا جانے لگے وہاں اصلاح احوال کی کیا توقع کی جاسکتی ہے ۔ میاں طفیل محمد نے اپنے خط میں

اراکین شوریٰ سے کہا کہ ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے حلف کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی ذمہ داری کا احساس کریں۔ میاں طفیل نے اپنے اس طویل خط کا اختتام ان سطور پر کیا ہے "شریعت کورٹ کے اس فیصلے کے بعد ملک اور آئین کے محافظوں کا بھی فرض ہے کہ ہر صاحب اختیار اسلامی جمہوریہ پاکستان سے وفاداری کے اپنے حلف سے عائد ہونے والی اپنی ذمہ داری کو سمجھے اور اپنے ملک و ملت کے مسلمہ مقتدر اعلیٰ اللہ رب العالمین سے وفاداری اور اس کی حدود کے تحفظ کا حق ادا کرنے اور جن لوگوں نے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے انتظامی سیاسی و اقتصادی عائلی اور قانون سازی گویا تمام ہی دائرہ ہائے زندگی سے شریعت کو بے دخل کر کے اللہ رب العالمین سے بغاوت کا ارتکاب کیا ہے ان کی کم از کم سزا یہ ہے کہ انہیں ہمیشہ کے لئے نااہل قرار دے کر پارلیمینٹ سے الگ کر کے گھروں کو واپس بھیج دیا جائے"۔ (روزنامہ پاکستان ۵ر ستمبر ۱۹۹۲ء)

چاروں خبروں کے بین السطور جو صورت حال جھلکتی ہے، اس پر ہماری طرف سے کسی رد عمل کا اظہار یا کوئی تبصرہ مفید نہ ہوگا البتہ اس کا بالکل ابتدائی تجزیہ جو ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی دو کتابوں میں محفوظ ہے (ان کا اشتہار اسی شمارے میں کہیں مل جائے گا)، تا حال حرف آخر ہے۔ اسے پڑھ کر محسوس ہوگا کہ اب جو بن پر آکر جو درخت برگ و بار لا رہا ہے اس کی قلم جماعت کے فکر میں بہت پہلے خود مالی نے لگا دی تھی اور ڈاکٹر صاحب نے نئی کونپلوں سے ہی پہچان لیا تھا کہ یہ شجرز قوم ہے۔ اس کے علاوہ ہم دعا ہی کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جماعت کی قیادت کے دلوں کو پھیر دے اور انہیں پھر سے اپنا اصل کام کرنے کی ضرورت کا احساس دلا دے۔

ہمارا مشورہ تو ہمیشہ یہ رہا ہے کہ جماعت اسلامی اپنی نظریاتی شناخت کو مٹنے نہ دے اور ایک اصولی انقلابی گروہ کا کردار اپنائے جو فی الحقیقت اس کا تھا اور تبدیلی حالات کے ساتھ نہ بدلتا تو اب تک بہت بڑے خیر کا باعث بنتا تاہم اس مشورے کو قبول کر لینا جماعت کے لئے روز بروز دشوار تر ہوتا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک ٹیڑھا خط کسی نقطہ پر جادۂ مستقیم سے جدا ہو جائے تو آگے آگے دونوں کا فاصلہ بڑھتا ہی ہے۔ افسوس کہ میاں طفیل محمد صاحب اور جماعت میں ان کے ہم خیال لوگ بھی جن کی تعداد اگرچہ روز افزوں ہے لیکن شاید موثر نہیں رہی، نتائج دیکھ کر پریشانی میں مبتلا ہونے اور اس کے اظہار کے باوجود لائحہ عمل کی ان غلطیوں پر انگلی نہیں دھرتے جن کا خمیازہ تحریک اسلامی کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ اس کا سبب بھی ظاہر ہے، بانی جماعت مولانا مودودی مرحوم سے اجتہادی غلطی ہوئی جو ضروری نہیں کہ جانتے بوجھتے کی گئی ہو لیکن اس کا احساس ہو جانے کے بعد بھی خود مولانا مرحوم حالات کے اسیر ہو کر بے بس ہو گئے تھے کہ کبر سنی اور خرابی صحت نے ان کے اعصاب کو اس ہمت و حوصلے سے محروم کر دیا تھا جو ایک بڑا فیصلہ کرنے اور پھر اسے جماعت کی نو خیز و پر جوش امیدوار قیادت سے منوانے کے لئے درکار تھا۔ پھر میاں طفیل محمد صاحب نے اپنے دور امارت میں گاڑی کو بگٹٹ اسی رخ پر دوڑایا جس سے ان کے پیشرو و بانی جماعت مڑ جانے کی سوچتے اور ایک داغ حسرت لئے اپنے اللہ سے جا ملے تھے اور اب تو خیر نشانات راہ بھی بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ قاضی حسین احمد صاحب نے جماعت کو ایک نئی طلسماتی دنیا میں پہنچا کر دم لیا ہے تو اس لئے کہ آگے چلیں گے دم لے کر، کرشماتی سیاست کا مزا تو اب ملنے لگا ہے۔ قاضی آتیوں اکھیاں اڈیکدیاں۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے پچھلے دنوں جماعت اسلامی کو یہ تک مشورہ دے ڈالا تھا کہ اگر انتخابی سیاست سے مراجعت میں وہ نوجوان آڑے آرہے ہیں جن کے حوصلے ہیں زیادہ یا وہ معدودے چند سال خوردہ بزرگ مزاحم ہیں جنہیں ایک عمر کے بعد مروجہ سیاست میں اپنی حسرتیں پوری کرنے کے موقع کی امید ہوگئی ہے تو ان سب کو اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کر کے مسلم لیگ کا راستہ دکھا دیا جائے۔ اندھوں میں کانا راجہ ہوتا ہے۔ یہ نیا خون مسلم لیگ کی صحت پر اچھا اثر ڈالے گا جس کی پیپلز پارٹی کے مقابلے میں بطور ایک سیاسی قوت کے موجودگی پاکستان کی ضرورت بھی ہے اور جماعت بھی اپنی منزل کی طرف لوٹنے کے لئے سبک سر ہو جائے گی۔ مصدقہ اطلاعات مظہر ہیں کہ اس سے ملتا جلتا مشورہ جماعت کی قیادت کو بعض ان بالغ نظر سیاسی دانشوروں اور سرد و گرم زمانہ چشیدہ صحافیوں کی طرف سے بھی موصول ہوا ہے جن کو جماعت اپنا خیر خواہ سمجھتی ہے۔ انہوں نے میدان سیاست میں جماعت کی حد درجہ نامعقول قلابازیاں اور اب "پاسبان" کے لچھن اور اس میں قاضی صاحب کی دھاچوکڑی (معاف کیجئے، ہم نے یہی اصطلاح ایک مرد معقول کی زبان سے سنی ہے) دیکھ کر خطرے کو بالکل سر پر محسوس کیا اور ڈراموں وغیرہ کے پردے میں کسی اور تیاری کی بو سونگھی ہے۔ مشورہ یہ ہے کہ قاضی صاحب کو پاسبان میں حوصلے آزمانے کی جو اجازت دی گئی ہے اسے فی الفور واپس لیا جائے، جماعت اسلامی اپنے اسی کام کی طرف لوٹ جائے جسے عرصہ ہوا ترک کر دیا گیا اور ایک نئی اسلامی سیاسی جماعت کی تشکیل کی جائے جس میں جماعت کے سیاسی عناصر کو یہ کھلی چھوٹ دے کر داخل کر دیا جائے کہ شائستگی کی حدود میں رہتے ہوئے عوامی حمایت کی خریداری میں سکہ رائج الوقت کو بے دریغ استعمال کریں، ہراول دستے کے طور پر کام کرتے ہوئے نسبتاً" بہتر سیاستدانوں کو ساتھ لے کر چلیں، شریف تر زمینداروں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو بھی سیاسی نفع میں سے حصہ بقدر جثہ کی یقین دہانی پر کاروبار سیاست میں اپنا شریک بنائیں تو جماعت اسلامی کے کرنے کا کام بھی ہوتا رہے گا جو عمومی ذہنی اور فکری تبدیلی پیدا کرتا ہے اور قومی سیاست کا وہ خلا بھی باقی نہیں رہے گا جو منظم اور ذرا سنجیدہ سیاسی جماعتوں کے عدم وجود کے باعث ملک میں ایک عرصے سے فی الواقع موجود ہے۔

یہ مشورہ بھی ابھی تو شرف قبولیت حاصل نہیں کر سکا لیکن اللہ کو منظور ہوا تو پاسبان کی ظاہری اور باطنی سرگرمیوں اور اس میں امیر جماعت کی دلچسپی کے رد عمل میں اسے بعض خواص ہی کی نہیں جماعت کے عام اراکین کی پذیرائی بھی ملنے کی شکل پیدا ہو کر رہے گی ورنہ سیانوں نے ہی کہا ہے کہ، جماعت ٹوٹ جائے گی، ٹکڑوں میں بٹ جائے گی۔ اللہ نہ کرے کہ ایسا ہو کیونکہ۔

دل کا اجڑنا سہل سہی، بسنا سہل نہیں ظالم
بستی بسنا کھیل نہیں، بستے بستے بستی ہے

پھر یہ بھی کیا خبر کہ جماعت کے ٹکڑوں میں سے کوئی ایک اقامت دین کے تصور کو دل و دماغ سے جھٹک کر تبلیغی جماعت کا ہی ایک تازہ ایڈیشن بن کر رہ جائے اور کوئی دوسرا خونی تصادم اور دہشت گردی کی راہ پر چل نکلے اور کوئی تیسرا نظریاتی

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

ہے کوئی جو میری آواز پہ کان دھرے!

جذبات کی شدت کے ہاتھوں مجبور ہو کر یہ سطور لکھ رہا ہوں ' اگر ممکن ہو تو شائع کر کے میرے جیسے دوسرے لوگوں تک بھی پہنچا دیجئے۔

سرور کائنات خاتم النبین ؐ کا مقصد بعثت مکمل ہونے اور اللہ کی طرف سے دین کامل ہو جانے کی نوید کے ساتھ ' رسول اکرم ؐ نے پوری امت کے ذمہ یہ فرض لگایا کہ وہ ان کے بعد لوگوں کو دعوت دین دیتے رہیں گے ' نیکی کی طرف بلاتے رہیں اور بدی سے روکتے رہیں گے ۔ اس تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً اس کار مشکل کے لئے اپنے بندوں میں سے ہی چند کو اس کام کے لئے منتخب کیا اور انہوں نے شبانہ روز محنت کر کے اللہ کے دین کو قائم رکھنے کی سعی و جہد کی ہے ۔

سرزمین پاکستان میں جب دین کی سربلندی اور اقامت دین کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے ڈالنا چاہی تو اس کے لئے پہلے مولانا مودودی کا انتخاب کیا لیکن ان کے اصل مقصد سے ہٹ جانے کے بعد ڈاکٹر اسرار احمد کو اللہ نے یہ توفیق بخشی کہ اس جدوجہد میں عملی طور پر قدم اٹھائیں اور تذکیر بالقرآن کے ساتھ ساتھ اقامت دین کے لئے تنظیم اسلامی اور اب تحریک خلافت کی شکل میں بھرپور اقدام کریں ۔ ان کی قرآنی فکر کی اشاعت اور تبلیغ و دعوت کے سلسلہ میں گراں قدر خدمات کو شمار کروانا مجھ ایسے کم علم کے بس میں تو نہیں ہے۔ اللہ کرے زور زبان و قلم اور زیادہ۔

۲۲ر اگست ۹۲ء کو درس قرآن میں جو قرآن آڈیٹوریم میں ہوا تھا ' داعی تحریک خلافت اور امیر تنظیم اسلامی نے پاکستان میں قیام خلافت ' قرآن کی تعلیم کو عام کرنے اور فکر اقبال کو مزید پھیلانے کے لئے جب پرخلوص ' پردرد اور اثر انگیز انداز میں لوگوں سے عملی اقدام کی اپیل کی تو میرے دل میں ایک جذبہ ' ایک آرزو اور ایک درد مچلنے لگا اور میری آنکھوں اور دل میں وہی نقشہ پھر گیا کہ جب حضرت عیسیٰ ؑ نے لوگوں سے دین کی راہ میں چلنے کے لئے معاونت کی اپیل کی تھی ۔ بہت کم لوگوں نے ' لیکن جذبہ دین سے سرشار لوگوں نے ان کی آواز پر لبیک کہا جس کا ذکر قرآن مجید میں سورۃ الصف اور سورۃ آل عمران میں آیا ہے ۔

مجھ ایسا کم علم اور کم وسائل رکھنے والا ان کی اپیل پر دل میں ایک حسرت لے کر اٹھا اور اپنی بے بسی پر رونا بھی آیا ۔ کاش میرے حالات ایسے ہوتے کہ فکر معاش کو پس پشت ڈال کر لبیک کہتا ہوا ہمہ وقت اور ہمہ تن اللہ کے دین کی خاطر ان سے آکر کہتا کہ لبیک یا امیرا!--- مگراے بسا آرزو کہ خاک شدہ--- میرا یہ سب کچھ تحریر کرنے سے مقصد مسلمانان پاکستان سے عموماً اور تنظیم اسلامی کے رفقاء اور تحریک خلافت پاکستان کے معاونین سے خصوصاً" یہ اپیل کرنا ہے کہ جس جس کو اللہ نے وسائل دیئے ہیں ' انہیں چاہیے کہ دین کی سربلندی کے لئے دامے 'درمے قدمے اور سخنے داعی تحریک ڈاکٹر اسرار احمد کے ساتھ مل کر کام کریں ۔ جو وقت دے سکتا ہے ' وقت دے ۔ جو مال دے سکتا ہے ' وہ مال دے ۔ جو بذریعہ قلم یا بذریعہ زبان کچھ کام کرسکتا ہے ' وہ اسی طریقے سے کام کرے ۔

ہمارے لئے یہ بھی لمحہ فکریہ ہے کہ باطل قوتوں کا تو ہر معاملے میں اتحاد ہو رہا ہے لیکن دینی ذہن رکھنے والے اور اللہ کی سرزمین پر اللہ کے نظام کی خواہش رکھنے والے ابھی سوچ میں ہی ڈوبے ہوئے ہیں اور کچھ نہیں کر کے دیتے ۔ تو پھر ان عذابوں کا جو کہ ہم پر چھوٹی چھوٹی عقوبتوں کی صورت میں نازل ہو رہے ہیں ' شکوہ کیوں ہو ۔

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

دوسرا نقطہ یہ ہے کہ میں نے ۲۱ر اگست ۹۲ء کے سیاست خلافت کے آئینی و دستوری ڈھانچے کے متعلق منعقدہ سیمینار میں شرکت کی تھی ۔ تمام روداد سن کر یہ بات متفقہ طور پر سامنے آتی تھی کہ اس ملک پاکستان میں ڈھائی تین ہزار بیچارو فیملی کے افراد ہر دفعہ اور ہر وقت اور ہر طرح سے برسراقتدار آکر ملک کی قسمت سے کھیلنا شروع کردیتے ہیں اور یہ عمل ملک کے معرض وجود میں آنے سے لے کر آج تک تسلسل کے ساتھ جاری و ساری ہے ۔ اس بیچارو فیملی سے چھٹکارہ صرف اور صرف انقلاب کے ذریعے ہی ہوسکتا ہے جو اسلامی اصولوں پر برپا ہو۔ لیکن ۳۱ر اگست کی اشاعت میں جو اس سیمینار کی رپورٹنگ کی گئی اس میں یہ بات بالکل ہی گول ہوگئی ہے حالانکہ اس مذاکرہ کا Main Theme ہی یہ تھا ۔ مہربانی فرما کر اگلی اشاعت میں وضاحت فرمادیجئے ۔

آپ کے موقر جریدے کے ذریعہ سے میں ان رفقاء تنظیم سے درخواست کرنا چاہتا ہوں جو تحریک خلافت کے متعلق گومگو کی حالت میں ہیں کہ ہم نے تو ڈاکٹر اسرار احمد صاحب امیر تنظیم اسلامی کی شخصی بیعت " من انصاری الی اللہ" کے جواب میں کی ہے ۔ اب وہ اس جماعت کا نام تنظیم اسلامی رکھ لیں یا تحریک خلافت ' وہ اسے بدل بھی سکتے ہیں اور قائم بھی رکھ سکتے ہیں ۔ تنظیم میں قرآنی نہج پر مبنی شورائی نظام بھی ہے جس کے تحت مشورہ کے بعد ہی امیر تنظیم کوئی فیصلہ فرماتے ہیں ۔ لہٰذا ہم سے زیادہ انہیں جماعت کا تشخص اور نیک نامی عزیز ہوگی چنانچہ جب تک ہمیں وہ کسی واضح منکر کا حکم نہ دیں (جس کے لئے ہمارے پاس قرآنی دلیل ہو) تو ہم پر اطاعت لازم ہے ۔ انہیں تو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ

منہاج نبوت پہ جو قائم ہو خلافت
اس دور سیاست کی یہی ایک دوا ہے

میں پھر تمام مسلمانان پاکستان سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ نظام خلافت کے قیام میں داعی تحریک کا بھرپور ساتھ دیں تاکہ یہ چمن معمور ہو پھر نغمہ توحید سے ۔

میرے جذبات کا قلم ساتھ نہیں دے رہا۔ اگر اس میں کوئی خیر کا پہلو ہو اور قابل اشاعت خیال فرمائیں تو اس کی نوک پلک بھی سنوار دیجئے گا۔ شکریہ!

والسلام مع الاکرام
حاجی محمد اقبال اعوان
نوشہرہ ورکاں ضلع گوجرانوالہ

میخانے کے زیر سایہ مسجد آباد ہوئی لیکن کے دن کو!

اقتدار احمد

میناروں اور گنبدوں کا شہر... استنبول

یہاں مشرق و مغرب گلے ملتے ہیں لیکن یوں کہ مشرقیت بچھی جاتی ہے

پچھلے سال انہی دنوں میں امریکہ میں تھا۔ شکاگو کے قیام کے دوران میرے میزبان ڈاکٹر خورشید ملک نے بتایا کہ آئی ایم اے کا دوسرا بین الاقوامی کنونشن آئندہ برس استنبول میں ہوگا جس میں حسب سابق برادرم محترم ڈاکٹر اسرار احمد ہی کو مہمان مقرر کے طور پر بلانے کا پروگرام ہے۔ کنونشن چیئرمین ایک ور مہربان دوست ڈاکٹر طور تھے اور کنونشن سمیت آئی ایم اے کی سب سرگرمیوں کی روح رواں خود ڈاکٹر ملک 'گویا دونوں ہی میری دسترس میں تھے چنانچہ اس خواہش کو زبان دینے کی ہمت ہوگئی کہ۔۔ غالب وہ اس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں حج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی ترکی دیکھنے کی حسرت تھی لیکن اب صحت اس بات کی متحمل نہیں رہی کہ اپنے طور پر تن تنہا ذوق سیاحت کو پورا کرسکوں۔

چین و جاپان دیکھا' مشرق وسطیٰ تقریباً پورا دیکھ لیا' مغربی یورپ کے بھی تین ممالک دیکھے ہیں اور امریکہ بھی اجنبی نہیں رہا۔ تب آتش جوان تھا یا کم از کم عہد رفتہ کے کچھ آثار باقی تھے' اب بڑھاپے کی آمد آمد ہے جس کے استقبال کے لئے مختلف النوع بیماریوں نے پہلے ہی صف بندی کرلی ہے چنانچہ سیر و سیاحت کی حسرت کو تھپک کر سلادینے پر مجبور ہوگیا ہوں الا یہ کہ کوئی ہمت والا مجھ کو بھی ساتھ لے لے۔ ان دوستوں نے کمال مہربانی سے مجھے بھی دعوت دینے اور اپنے گروپ میں شامل کرنے کی ہامی بھرلی۔

ترکی سے مجھے بھی وہ تعلق تو تھا ہی جو برعظیم پاک و ہند کے ہر مسلمان کو ہے' ۱۹۶۸ء میں پہلی بار حج کی سعادت نصیب ہوئی تو پہلی بار ترکوں کو دیکھنے کا موقع ملا جو اس سال چالیس ہزار کی تعداد میں آئے تھے۔ ترکوں کے لئے حج چند برس قبل ہی کھلا تھا' چنانچہ بوڑھے ترک مرد اور خواتین جوق در جوق آنے لگے جو نہ جانے کب سے اس آرزو کو دلوں میں چھپ چھپا کر رکھے ہوئے تھے۔ ان سے آمنا سامنا ہوتا اور اشاروں کی زبان میں ان کے سوال کا جواب میں "پاکستان" دیتا تو "پاچستان... ایوب خان" کہتے ہوئے ان کی باچھیں کھل جاتیں اور پھر محبت کا زمزمہ بہنے لگتا۔ ان کی شفقت کے گہرے تاثر نے نہاں خانہ دل میں گھر کرلیا۔

۱۹۷۵ء میں دمشق کے وسیع میدان تحریر میں واقع اپنے ہوٹل کے سامنے سڑک کی ریلنگ کے ساتھ کھڑا زندگی کی گہما گہمی کا نظارا کررہا تھا کہ اچانک سامنے سے ترک حاجیوں کی بسوں کا قافلہ نمودار ہوا جن کی منزل مدینہ منورہ تھی۔ گھنٹے بھر تک اسے گزرتا دیکھنے میں محو رہتے ہوئے مجھ پر بہزاد لکھنوی کا یہ شعر طاری ہوگیا کہ۔

جب مدینے کا مسافر کوئی پا جاتا ہوں
حسرت آتی ہے' یہ پہنچا میں رہا جاتا ہوں

بڑی دیر دل و دماغ کی عجیب سی کیفیت رہی اور آخر مجھے اپنے کمرے میں واپس آکر پانی کی چھپکوں سے اس سوزش کو سرد کرنا پڑا جو آنسوؤں نے آنکھوں میں پیدا کردی تھی۔ انہی دنوں دمشق ایئرپورٹ پر شمالی افریقہ کے عرب اور بربر مسلمانوں کے ہجوم دیکھ کر اس تجربے سے گزرنا نہیں پڑا تھا جو حج پروازوں کے انتظار میں ٹرانزٹ لاؤنج کے کونوں کھدروں تک میں ڈیرے ڈالے ہوا تھا۔

تین سال بعد سعودی عرب میں قدرے قیام کے دوران منیٰ میں شاہ اور ولی عہد کے زیر تعمیر محلات پر کچھ کام ایک ترک کمپنی کررہی تھی اور کچھ میرے سعودی شریک کار کے پاس تھا جس کی ذمہ داری میرے پاکستانی کارکنوں پر تھی۔ انہیں ہدایات دینے جب بھی جدہ سے منیٰ جانا ہوتا اور واپسی شام تک موخر ہوجاتی تو ان ترک کارکنوں سے خاموش ملاقات کا موقع مل جاتا۔ میرے کارکنوں اور ترکوں کے کچے پکے ڈیرے قریب قریب تھے جن کے درمیان ترکوں نے ایک عارضی مسجد بنا رکھی تھی۔ یہاں مغرب کی نماز میں ہی رونق ہوتی کہ ظہر اور عصر تو پڑھنے والے کام کے دوران ہی حسب موقع انفرادی طور پر ادا کر لیا کرتے ہوں گے۔ مغرب کی نماز کے لئے میں بھی وہاں چلا جاتا تو ترک بھائیوں میں خوشی کی لہر سی دوڑ جاتی' وہ مجھے پاکستانی مہندس کے طور پر پہچانتے تھے۔ بڑے اصرار سے مجھے امامت پر آمادہ کرتے اور نماز کے بعد سب فرداً فرداً مصافحہ کرتے ہوئے مسکراہٹوں کی پھوار بکھیرتے۔ میری قراءت جیسی کچھ بھی تھی' انہیں بڑی پسند آتی۔

۱۹۸۳ء میں اپنے مرحوم لخت جگر احمد کے ساتھ امریکہ جاتے ہوئے میں نے جرمنی میں تقریباً ایک ہفتہ گزارا۔ فرینکفرٹ اور "بادن بادن" میں چند دن ٹھہرنے کے بعد جس کے دوران ہم نے پرانے مغربی جرمنی کو اندر سے دیکھا' آخری مستقر میونخ تھا۔ پیٹ بھر کر کھانا کھائے پانچ دن ہوگئے تھے کہ بازار سے گزرتے سیخ کباب کی خوشبو ہم فاقہ مستوں کے قدموں سے لپٹ گئی۔ رک کر غور سے دیکھا تو یہ ترک بھائیوں کا ہوٹل تھا جہاں کباب سیخ پر چڑھے بھننے کے عمل سے گزر رہے تھے۔ اندر داخل ہوئے' بلند آواز سے السلام علیکم کہا اور جواب میں وعلیکم السلام سنائی دیا تو جان میں جان آئی لیکن پیٹ میں دوڑتے چوہوں نے ایک دم زقند بھری۔ "برادر! یہ حلال گوشت ہے نا؟۔" ہم نے کاؤنٹر پر کھڑے نوجوان سے پوچھا اور جس جواب کے لئے ہم اس وقت مرے جارہے تھے' وہی ملا "الحمد للہ' ہم مسلمان ہیں' آپ اطمینان سے کھایئے"۔ ہم نے کبابوں کا (اب پتہ چلا ہے کہ ترک انہیں کوفتہ کہتے ہیں) آرڈر دیا اور جاکر میز پر براجمان ہوگئے۔ نگاہیں ریستوران میں گھمائیں تو دیکھا کہ درجنوں خواتین و حضرات حلال کھانے کو حلق سے اتارنے کے لئے حرام مشروبات کا بھرپور استعمال کررہے ہیں۔ ہم ذرا جھجکے تو سہی لیکن ہماری داڑھیوں نے ویٹر سے پانی طلب کرنا آسان کردیا۔

اگلے روز جمعہ تھا اور ہم پہلے ہی ایک جمعہ کو ظہر کی نماز میں تبدیل کرچکے تھے' سوچا کہ یہاں ترک تارکین وطن کی خاصی تعداد نظر آتی ہے' کیا عجب کہ

جمعہ کا اہتمام بھی ہو۔ اگلے روز اسی ریستوران سے پیٹ بھرنے کے بعد مسجد کا پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہیں قریب ایک گلی میں ہے۔ ہمارا ہوٹل بھی ساتھ ہی تھا، وہاں سے وضو کر کے مسجد کا رخ کیا جو ایک رہائشی عمارت کی دوسری منزل میں ایک درمیانے سائز کے اپارٹمنٹ میں واقع تھی۔ نمازی تین کمروں میں منقسم تھے، ان کے دروازے کھلے رکھ کر اس بڑے کمرے سے سمعی و بصری ربط قائم کرنے کی کوشش کی گئی تھی جس میں امام صاحب چھوٹے سے منبر پر بیٹھے بزبان ترکی خطبے سے پہلے کی تقریر کررہے تھے۔ قبلے کا رخ آڑا تھا اور ترچھی صفوں نے خاصی جگہ ضائع بھی کردی تھی لیکن جہاں کسی کے سینگ سمائے، بیٹھ گیا۔ خود ہمیں ایک بغلی کمرے میں بالکل پیچھے تنگ سی جگہ ملی جہاں سجدے میں پیش آنے والی دشواری پہلے سے ہی صاف نظر آرہی تھی۔ امام صاحب ہمیں نظر تو نہ آئے لیکن آواز صاف پہنچ رہی تھی۔ چند الفاظ بھی مانوس سے لگے لیکن تقریر کے موضوع کا اندازہ مجھے قرآن مجید کی آیات اور احادیث شریفہ کے حوالوں سے ہوا جو سب شراب اور زنا کی مذمت اور نکیر میں تھے۔ ماحول کا عمومی نقشہ پاکستان کا سا تھا۔ فرضوں سے پہلے کی چار سنتیں پورے اہتمام سے پڑھی جارہی تھیں، پھر فرضوں کی ادائیگی کے بعد ہم نے مسافری کی سہولت کا فائدہ اٹھانے کے لئے کھسکنا چاہا تو سب راستے مسدود پائے۔ لوگ دھڑا دھڑ سنتیں اور نفل ادا کررہے تھے۔ سجدوں پہ سجدے، رکعتوں کے ڈھیر۔ سب لوگ فارغ ہوگئے تو ایک بار پھر امام صاحب نے طویل اجتماعی دعا کرائی۔ پاکستان سے باہر میرا واسطہ کے اہل سنت والجماعت مسلمانوں سے پہلی بار پڑا تھا۔

پھر اسی سفر میں امریکہ سے واپسی پر چندے لندن میں قیام کے بعد اسلام آباد کے لئے پی آئی اے کی پرواز لی تو راستے میں اس کا ایک سٹاپ استنبول تھا۔ نصف شب کے قریب جہاز وہاں رکا تو اعلان ہوا کہ مسافر چاہیں تو لاؤنج میں جاکر چہل قدمی کرسکتے ہیں۔ مجھے اندازہ تھا کہ یہاں "سوو ینرز" کے سٹال پر قرآنی طغرے اور مخطوطات ضرور دستیاب ہوں گے جن میں ترکوں نے کسب کمال کیا چنانچہ ہم دونوں باپ بیٹے اپنے پرس جیبوں میں ٹھونس کے دوڑے اور توقع کے مطابق وہاں موجود سٹال پر پہنچ کر دم لیا لیکن اس کا دروازہ مقفل تھا۔ شو کیس میں پڑے قرآنی آرٹ کے نادر نمونے ہماری آتش شوق کو بھڑکاتے رہے لیکن وہاں آس پاس بھی کوئی موجود نہ تھا جو یہ پوچھ ہی سکتے کہ بھلے آدمیو! سامنے مے خانہ تو بڑا آباد ہے، ہمارے مرکز شوق پر تم نے تالا کیوں ڈال دیا؟ --- مایوسی کے داغ کے سوا وہاں سے کچھ نہ ملا۔ ٹرانزٹ لاؤنج میں ترکی کی جو جھلک نظر آئی اور مقامی عملے کے بشرے میں پاکستانیوں کے لئے جو بیزاری و سرد مہری محسوس کی، اس نے ذہن میں یہ کرید البتہ لگادی کہ دیکھنا چاہیے کہیں ایک ہی ملک میں دو قومیں تو آباد نہیں!

اب ۲۹ر جولائی کی سہ پہر برادرم ڈاکٹر اسرار احمد کی معیت میں استنبول پہنچا تو گویا ایک پرانی خواہش پوری ہوئی۔ امیگریشن کے متعدد کاؤنٹروں میں سے نصف پر خواتین اور باقی پر مرد افسر آنے والے مسافروں کو بھگتا رہے تھے۔ ہم ایک "مردانہ لائن" میں لگ گئے۔ میزبان تنظیم آئی ایم اے کے مقامی کارکن جن کا تعلق استنبول کی ایک بڑی سیاحتی کمپنی "وی آئی پی" سے تھا، کاؤنٹروں کے پیچھے سے ہمیں ہاتھوں میں پکڑے نی بورڈ دکھا کر اطمینان دلا رہے تھے کہ آپ کو پہچان لیا گیا ہے۔ محسوس ہوا کہ ہماری لائن ذرا آہستہ کھسک رہی ہے جبکہ ساتھ والی خاتون بڑی چابک دستی سے پاسپورٹوں پر ٹھپے لگا کر نوواردوں کو بھگتا رہی تھی۔ اپنا نمبر آنے پر میں نے دونوں پاسپورٹ ان کارڈوں سمیت پیش کردئے جو ہوائی جہاز میں دئے گئے اور میں نے بڑے اہتمام سے جن کی خانہ پری کی تھی۔ وہ کارڈ بڑی بے نیازی سے واپس دھکیل دئے گئے۔ صاحب کی توجہ کام کی طرف نہیں تھی چنانچہ ہمارے پاسپورٹوں میں ویزے تلاش کرنے میں بھی انہیں خاصا ہی وقت لگا۔

کسٹم والوں سے ہماری جان وی آئی پی والوں نے چھڑا دی جو ہماری منفرد وضع قطع اور سامان میں کتابوں کے تین بھاری بنڈل دیکھ کر ذرا چوکس ہوگئے تھے۔ ہم کسٹم افسر کے سامنے پہنچے ہی تھے کہ وی آئی پی کا ایک کارکن لپک کر آیا اور دو ایک چلتے ہوئے سے فقرے اس کی طرف اچھالتا ہوا ہماری لدی پھندی ریڑھی کو کھینچ کر باہر نکال لایا۔ اس کی بات ہماری سمجھ میں ظاہر ہے کہ نہیں آئی اور اس کی ضرورت بھی کیا تھی!۔ آئی ایم اے کے کنونشن کے مندوبین اطراف و جوانب سے مختلف پروازوں کے ذریعے پہنچ رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وی آئی پی کے کارندوں نے بھاگ دوڑ کر کے پچیس تیس خواتین و حضرات کو جمع کرلیا جن میں سے کئی ڈاکٹر صاحب سے بڑے تپاک سے بغل گیر ہوئے کہ کہیں اور نہیں تو دو برس قبل سپین میں ہونے والے آئی ایم اے کے پہلے بین الاقوامی کنونشن میں ان سے ملاقات کرہی چکے تھے۔

اب ایک آرام دہ ایئر کنڈیشنڈ ٹورسٹ بس میں ہمارا رخ قیام گاہ کی طرف تھا۔ موسم خوشگوار تھا جیسا بحیرہ روم کے خطے میں ہونا چاہیے لیکن ہلکی بونداباندی نے فضا کو ذرا بوجھل کردیا تھا لہٰذا ایئر کنڈیشننگ غنیمت معلوم ہوئی اور وہ پسینہ خشک ہونے پر آگیا جو سامان کو جمع کرنے اور ریڑھی میں دھکیلنے کے مراحل میں جسم کو نہلا گیا تھا۔ سفر بہر حال سفر ہے، چاہے آواز سے تیز رفتار طیاروں کے ذریعے طے کیا جائے --- **"السفر قطعة من العذاب"** --- ایئر پورٹ کے علاقے سے نکلتے ہی محسوس ہوگیا کہ ہم مشرق کو پیچھے چھوڑ کر مغرب میں نکل آئے ہیں۔ استنبول شہر کا یہ حصہ یورپ میں ہے اور یورپ ہی لگتا بھی تھا سوائے اس کے کہ صفائی کا وہ اہتمام نہیں اور خوشحالی ویسے نہیں ابلی پڑتی۔ گائیڈ نے مائیک سنبھال کر ہمیں مخاطب کیا۔ "خواتین و حضرات! میں آپ کو جمہوریہ ترکی میں خوش آمدید کہتا ہوں۔ یہ ایک خوبصورت "موزلم" لیکن سیکولر ملک ہے، مصطفیٰ کمال نے جس کی تعمیر کی۔ وہ اتاترک (بابائے قوم) تھا اور میں بھی اس کا ایک بیٹا ہوں، یا پوتا کہہ لیجئے"۔ وہ خاصی رواں انگریزی بول رہا تھا اور راستے میں آنے والے مقامات کی طرف اشارہ کر کے ان کا تعارف کراتا رہا۔ میں نے اچٹتی نگاہ سے دائیں بائیں کے مناظر دیکھے کہ اب تکان کا غلبہ تھا اور جی چاہتا تھا کہ جلد از جلد قیام گاہ پہنچ کر آرام کا موقع ملے۔ گزشتہ شب کراچی کے مڈوے ہوٹل میں ڈیڑھ دو گھنٹے کی استراحت کے بعد اس فضائی سفر نے تھکا مارا جو عمان اور دمشق کے سٹاپ کے باعث خاصا ہی طویل ہوگیا تھا۔

ہمارا قیام استنبول کے ایک "پوش" علاقے "تقسیم" کے مرکزی چوک میں واقع مرمرہ ہوٹل میں تھا۔ بائیس منزلہ مرمرہ کا شمار وہاں کے بڑے فائیو سٹار ہوٹلوں میں ہوتا ہے جن کی یہاں سیاحت کی "انڈسٹری" کے فروغ کے باعث کمی نہیں البتہ سب سے مہنگا ہوٹل چراغان پیلس ہے جو کبھی شاہی محلات کا ایک حصہ تھا، باسفورس کی ہلکی ہلکی لہروں کے ہلکورے جس کے شاہی پائیں باغ کی روشوں سے الجھتے ہیں اور جہاں آپریشن ڈیزرٹ سٹارم کی تیاری کے مرحلے میں امریکی صدر جارج بش اپنے دورۂ ترکی کے دوران قیام پذیر ہوئے تھے۔ مرمرہ کے نصف سے زیادہ کمرے کنونشن کے مندوبین کے لئے محفوظ تھے جن میں سے بعض سیر سپاٹے کے لئے اپنے اہل و عیال کو بھی ساتھ لے آئے تھے چنانچہ استقبالیہ سے ملحقہ راہداری پر آئی ایم اے کا قبضہ تھا جہاں ان کے دفتر معلومات کے کاؤنٹر کے علاوہ وی آئی پی کی کارکن لڑکیوں کی میزیں لگی ہوئی تھیں جو مہمانوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دینے کے ساتھ ساتھ ان کے لئے اجتماعی یا انفرادی سیرو سیاحت کا اہتمام بھی کرتی تھیں عقبی زیریں حصہ بھی کنونشن کے استعمال میں تھا جس کے بڑے بڑے "بال روموں" میں سے ایک بڑے ہال میں کنونشن کے لئے نشستیں لگا دی گئی تھیں اور ایک نسبتاً چھوٹے ہال میں آئی ایم اے نے صاف ستھری چادریں بچھا کر عارضی مسجد بنا لی تھی۔ اس "مسجد" میں جس کے سر پر میخانہ آباد تھا، مندوبین حسب موقع باجماعت اور انفرادی طور پر نمازیں ادا کرتے رہے البتہ فجر کی نماز کے بارے میں طے تھا کہ ڈاکٹر اسرار صاحب پڑھائیں گے جس کے بعد انہوں نے روزانہ اوسطاً نصف گھنٹے کی ایک تقریر میں ان مسلمان مرد اور خواتین ڈاکٹروں کو دین کا ایک بنیادی

سبق یاد کرانے کی کوشش کی جن کی اکثریت شمالی امریکہ سے آئی لیکن اصلاً پاکستان، بھارت، دیار عرب اور ایران سے تعلق رکھتی تھی۔

صبح کی ان پانچ مختصر گفتگوؤں میں ڈاکٹر صاحب نے بزبان انگریزی سورۂ حجرات سے ماخوذ اس مضمون کو تذکیر کا موضوع بنایا جس میں نو مسلم بدوؤں سے فرمایا گیا ہے کہ تم ایمان کا دعویٰ نہ کرو، یہ کہو کہ اسلام قبول کر لیا ہے۔ تو گویا ایمان اور اسلام دو مختلف کیفیات کے نام ہیں یا یوں کہئے کہ مسلم اور مومن میں کوئی اتنا نمایاں فرق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو بھی ٹوکنے کی ضرورت محسوس کی جو فتح مکہ کے بعد خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی میں ہی فوج در فوج اسلام کی فصیل میں داخل ہوئے تھے --- **یدخلون فی دین اللہ افواجا** --- اسلام اور ایمان کے فرق کو واضح کرنے کے لئے ڈاکٹر صاحب نے دونوں کی ماہیت اور خصائص پر روشنی ڈالی۔ ارکان اسلام تو ہم انگلیوں پر گن لیتے ہیں، بتایا کہ ایمان کے اضافی رکن کونسے ہیں پھر یہ کہ اسلام کا تعلق دنیا میں مسلمانوں کے باہمی معاملات اور اسلامی ریاست میں مسلمان کے حقوق و فرائض سے ہے جبکہ آخرت میں فلاح و نجات کا دارومدار ایمان پر ہے اور آخر میں ان سیدھے اور صاف سمجھ میں آنے والے منصوص و مسنون ذرائع کی نشان دہی کی جن سے ایمان کی دولت سمیٹی جا سکتی ہے۔ فجر کی نماز اور بعد کی ان نشستوں میں پندرہ بیس فی صد مہمان خواتین و حضرات باقاعدگی سے شریک ہوتے رہے جبکہ واقعہ یہ ہے کہ چونکہ کسی نہ کسی وجہ سے رات کو سونے میں بہت تاخیر ہو جاتی تھی، صبح کو تیار ہو کر بروقت نماز کے لئے پہنچنا ہرگز کوئی آسان کام نہ تھا۔ سامعین میں اسلامی جمہوریہ ایران کے سابق نائب وزیراعظم و وزیر خارجہ اور معروف دانشور جناب ڈاکٹر ابراہیم یزدی نمایاں تھے جنہوں نے ایک دن بھی ناغہ نہ کیا۔ وہ نماز اپنے مخصوص طریقے سے لیکن جماعت میں شامل ہو کر ادا کرتے اور ڈاکٹر صاحب کی گفتگو پوری توجہ سے سنتے تھے۔ آخری دو نشستوں میں زغرب کے ڈاکٹر عزت اگانووچ بھی شریک ہوئے جن کے لئے یہ باتیں بالکل نئی اور بہت حیرت انگیز تھیں۔ وہ بوسنیا کے مظلوم و مقہور مسلمانوں کی فریاد مسلمان ڈاکٹروں تک پہنچانے کے لئے تشریف لائے تھے۔

مرمرہ کی چودھویں منزل کے کمرہ نمبر ۱۴۱۸ میں فروکش ہو کر غسل کے بعد برادر محترم نے تو آرام کو ترجیح دی لیکن میں اس کی ضرورت محسوس کرنے کے باوجود زیادہ دیر بستر میں دراز نہ رہ سکا اور نیچے ہوٹل کے لاؤنج میں اتر آیا جہاں اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن آف نارتھ امریکہ (آئی ایم اے) کے کنونشن کے باعث رونق خلاف معمول بہت زیادہ تھی۔ یہاں کے ماحول میں غیر ملکی مسلمان ڈاکٹروں کی چہل پہل

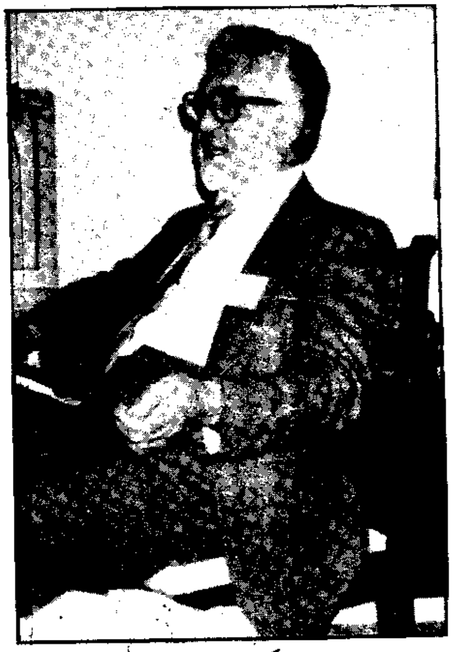

ڈاکٹر ابراہیم یزدی

سے کچھ تھوڑا سا فرق واقع ہو گیا تھا ورنہ ہر چہار طرف خالص مغربیت کا راج تھا۔ شاید عام دنوں میں احساس تک نہ ہوتا ہوگا کہ یہ کسی مسلمان ملک کا ہوٹل ہے جس کی اپنی بھی کوئی تہذیب و ثقافت اور ایک درجے میں ہی سہی، کوئی شناخت بھی ہے۔ میں متحرک زینے سے اتر کر لابی میں اور پھر گھومتے ہوئے دروازے سے گزرتا ہوا باہر نکل آیا۔ اندر سنٹرل ائیرکنڈیشننگ کے باعث فضا میں گھٹن سی تھی، باہر تازہ ہوا کے جھونکوں نے استقبال کیا تو بڑی ہی فرحت ہوئی۔ گاڑیوں کی ریل پیل اور نظر نہ آنے والے دھوئیں کی آلودگی کو وسیع و عریض کھلے چوک میں بے روک ٹوک چوکڑیاں بھرتی، اٹھلاتی ہوا نے چٹکیوں میں اڑا دیا تھا جو ترکی کے اپنے سمندر، بحر مرمرہ سے

نہا دھو کر آتی تھی۔ یہ چوک "تقسیم سکوئر" جدید جمہوریہ ترکی کی نمائندگی کا حق ادا کرتا ہے۔ سامنے سڑکوں کا جال بچھا ہوا ہے جس کے بعد زمین سے ذرا بلند ایک سرسبز و شاداب پارک ہے اور اس کے عقب میں ہلٹن ہوٹل۔ دائیں جانب ایک شاندار کنونشن سنٹر ہے جس کے دونوں پہلوؤں پر بڑی بڑی معروف سڑکیں ڈھلوان کی طرف اتر رہی ہیں جن پر تین چار منزلہ کمرشل عمارتوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔ سامنے پارک کی بائیں جانب سے ایک جدید بازار امڈتا آتا ہے جو چوک کو عبور کر کے مرمرہ ہوٹل کے ساتھ واقع بنک کی عمارت سے لگی ہوئی ایک دم نیچے کو جاتی سڑک میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس پر دو رویہ قدیم رہائشی عمارتیں ہیں، کوئی بھی تین منزل سے کم نہیں۔ بائیں طرف ذرا فاصلے پر برقی ٹرام کا پرہجوم سٹاپ ہے جس سے دو عام قسم کے بازار شروع ہو رہے ہیں لیکن تیور ان کے بھی مغرب سے مستعار ہیں۔ استنبول کا شہر اور یہ شہر ہی کیا، پورا ترکی بلندیوں اور پستیوں کا حسین امتزاج ہے۔ ہموار راستوں اور سڑکوں کا یہاں کیا گزر!۔

تقسیم سکوئر کے ایک کونے میں آثار قدیمہ میں شمار ہونے والی چھوٹی سی مسجد ہے۔ بظاہر اس کی سنگین دیواروں اور خوبصورت اکیلے گنبد کا کچھ نہیں بگڑا لیکن دروازوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں، غالباً" اندر سے خستہ حال ہوگی۔ اس کے مینار پر نصب لاؤڈ سپیکر سے بلند ہونے والی حی علی الفلاح کی آواز کے جواب میں کوئی نماز پڑھنا چاہے تو اسے مقفل مسجد کے پہلو میں نصب اشارے کی تقلید میں دو چھوٹی عمارتیں چھوڑ کر ایک زینہ چڑھنا پڑتا ہے جو ایک چھوٹے سے کمرے میں کھلتا ہے۔ میری نگاہیں چوک میں جھاڑو پھیرتی رہیں کہنے کے تو استنبول میں مشرق و مغرب گلے

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

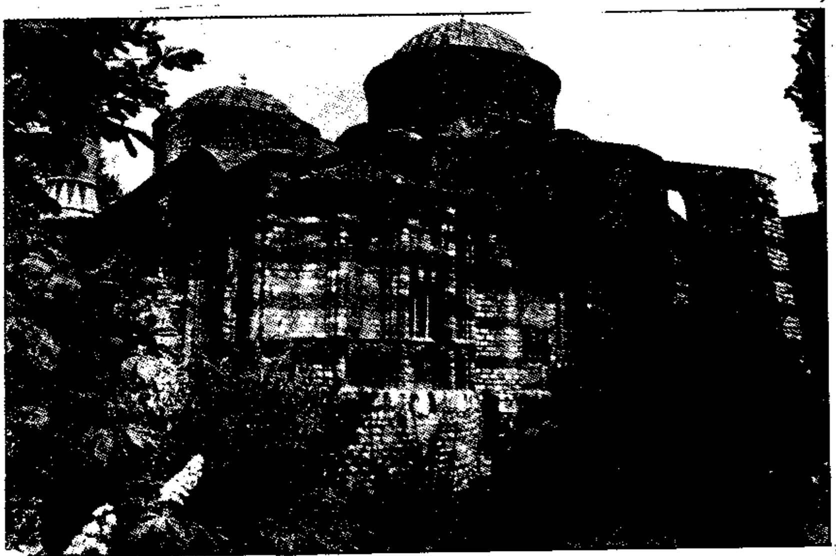

استنبول کا ایک گرجا--- ابھرتا مینار درختوں میں چھپ گیا ہے۔

بقیہ پریس ریلیز

ہوتے ہیں ۔ شریعت کی بات کرنے والے مولویوں کے لئے ایک شو بوائے مولانا عبدالستار نیازی کی متشرع شکل میں ہے تو دوسری طرف سردار آصف احمد علی کے ساتھ اب رانا نذیر احمد کو بھی مولویوں ہی کو للکارنے کے لئے کھلا چھوڑ دیا گیا ہے ۔ ایک طرف کتاب و سنت کی بالادستی کی دستوری ترمیم کی بات بھی ہوتی رہتی ہے جسے نفاذ شریعت ایکٹ کے اگلے دن ہی پیش ہونا تھا اور دوسری طرف موٹروے کے بعد اب بلٹ ٹرین کا جھنجھنا بجا دیا گیا ہے جس کے لئے بیرونی سرمایہ کار سود پر پابندی کے تصور دیکھ کر قریب تک پھٹکنے کے روادار نہیں ہوں گے ۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ حکومت داؤ پر ہے ۔ اگر بلٹ ٹرین چل گئی تو بلٹ ہی کی طرح سیکولرزم کی طرف جانا طے ہے ورنہ نفاذ اسلام کا اعلان کر کے اس کی گھنٹی دوسروں کے گلے میں ڈالنے کے بعد خود شہید اسلام بن کر دور جا کھڑے ہوں گے لیکن ملک کا بیڑا بہرحال غرق ہوجائے گا ۔ انہوں نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہماری بیشتر دینی مذہبی جماعتوں نے اس گھناؤنی سازش میں اس حکومت کا ساتھ دیا ہے جس کے اصل عزائم سے بے خبری کا عذر وہ پیش نہیں کرسکتے ۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ سیکولرزم کی طرف جانے کی صورت میں بھی خیر کا ایک پہلو موجود ہے ۔ شاید کہ دینی جماعتوں کو ہوش آجائے لیکن اس کے ساتھ اب یہ خطرہ بھی ابھر رہا ہے کہ جمعیت علماء اسلام اور جماعت اسلامی مسلح تصادم اور دہشت گردی کی راہ اپنا لیں جو ہماری تباہی پر آخری نوحہ بننے کے لئے خوفناک خانہ جنگی کی شکل اختیار کرلے گی ۔ انہوں نے کہا کہ میں ہر مصلحت کو بالائے طاق رکھ کر صاف اعلان کر رہا ہوں کہ پاسبان کے ڈراموں اور لیزر شو کے پردے میں البدر اور الشمس کو تیار کیا جارہا جسے افغانستان میں تربیت دی گئی اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے لیکن پاکستان مسلح تصادم اور خانہ جنگی کا متحمل ہر گز نہ ہوسکے گا کیونکہ زمانے کے انداز بدل چکے ہیں ۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے خبردار کیا (اور یہ حصہ پریس ریلیز میں آنے سے بھی رہ گیا تھا) کہ فوج کو سندھ کی دلدل میں دھنسانے کے بعد اس کے خلاف کردار کشی کی ایک نئی مہم کا آغاز کیا گیا ہے ۔ آپریشن کلین اپ میں اسے کس نے اور کیوں پھنسایا ' یہ اب کوئی راز نہیں رہا ۔ بہر صورت ملک میں فوج کے واحد باوقار ادارے کو رسوا کرنے کی ایک کوشش تھی جو ایک حد تک کامیاب ہوتی نظر آئی تو ترکش سے آخری تیر برآمد کیا جارہا ہے جو سی ۱۳۰ کے حادثے میں اس کا ملوث قرار دیا جانا ہے ۔ انہوں نے کہا کہ افراد کو گرفت میں لایا جائے تو اس میں اعتراض کی گنجائش نہیں لیکن نظر یوں آتا ہے کہ فوج کو بحیثیت مجموعی بدنام کرنے کا پروگرام ہے ۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں ' خبر نہیں ہماری ہیئت مقتدرہ چاہتی کیا ہے ' قوم کو کس انجام سے دوچار کرنے کا ارادہ ہے ۔ (اس خطبہ کا مکمل متن اگلے شمارے میں شامل ہوگا) ○○

بقیہ زبان یار من ترکی

ملتے ہیں لیکن یہاں مشرق مارے انکسار کے بچھ گیا ہے اور مغرب اس کی چھاتی پر سوار ہے ۔ مغربیت مشرقیت کے سینے پر مونگ دل رہی ہے ۔ خانہ جنگی سے پہلے کے بیروت کی تو بات ہی اور تھی ' دمشق میں تقریباً یہی حال دیکھا اور قاہرہ کی پوش آبادیوں میں بھی صورت حال زیادہ مختلف نہ تھی لیکن یہاں دنیا کے اس واحد شہر پر جو دو برا عظموں میں واقع ہے ' یورپی تہذیب کے اس اضافی رنگ کی چھاپ بھی ہے جو بے حیائی کی آخری حدوں کی نشاندہی کرتا ہے ۔ نوجوان جوڑے ایک دوسرے کے ساتھ چپکے ہوئے سڑکوں فٹ پاتھوں پر ' پارکوں میں مٹرگشت اور خوش فعلیاں کرتے نظر آتے ہیں ۔ عریانی خطرے کے نشان سے بس ذرا نیچے ہے یعنی سینہ ء شمشیر سے شمشیر کا دم ابھی پوری طرح باہر نہیں آیا لیکن ۔

کہ کوئی دن کی بات ہے اے مرد ہوش مند غیرت نہ تجھ میں ہوگی ' نہ زن اوٹ چاہے گی

بیچاری مشرقیت تقسیم چوک میں بھیک مانگتی نظر آئی ۔ مشرقی ساتر لباس میں ملبوس لیکن کھلے چہروں کے ساتھ ادھیڑ عمر کی دختران مشرق ایک ایک دو دو بچوں کو ساتھ گھسیٹتی راہگیروں کے سامنے ہاتھ پھیلائے کئی گز منت و زاری کرتی ایک ایک کے پیچھے دوڑتی ہیں لیکن دیکھا کہ ان کی مراد کم کم بر آتی ہے ۔ چوک میں جابجا چھوٹے چھوٹے خوانچے سے سامنے رکھے لاٹری کے ٹکٹ بیچنے والے بھی آس لگائے بیٹھے ہیں ۔ بیروت میں آپ کہیں جا کھڑے ہوں ' لڑکے بالے اور از کار رفتہ بوڑھے "یا نصیب یا نصیب" کہتے اور ہاتھ میں پکڑی لاٹری کے ٹکٹوں کی کاپیاں آپ کی طرف بڑھاتے منڈلانے لگتے ۔ "یا نصیب" کی آواز آخر تک پہنچتے ایک سیٹی میں تبدیل ہوجاتی تھی ۔ یہاں کوئی آوازیں تو نہیں لگاتا لیکن بہت لوگوں کی امنگوں ' آرزوؤں کو یہاں بھی لاٹری کی ڈوری نے زندگی کے ساتھ باندھ رکھا ہے ۔

استنبول میناروں کا شہر بھی کہلاتا ہے ۔ جدھر دیکھئے خوبصورت ' سڈول ' بلند و بالا مینار ہی مینار نظر آتے ہیں ۔ اکثر مساجد کی چوکسی کرتے ہیں اور یہی حال گنبدوں کا ہے ' ایک جیسے خوبصورت ' ایک جیسے شاندار ' یکسانیت اور بوقلمونی کا حسین امتزاج لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ اس پرانے قسطنطنیہ میں گرجاؤں پر بھی ویسے ہی دراز قد میناروں کا پہرہ ہے اور ان کے سروں پر بھی گنبدوں کے تاج ہیں ۔ کسی نووارد کو یہ پہچان پیدا کرنے میں بڑا وقت لگتا ہے کہ اس کی نظریں مسجد کے مینار و گنبد کا طواف کررہی ہیں یا کسی کلیسا کے کلس سے الجھ کر رہ گئیں ۔ ویسے مساجد کا یہاں کیا شمار ! مسلم دنیا کا کون بڑے سے بڑا شہر ہے جو مسجدوں کی تعداد ' ان کی وسعت اور سربلندی میں استنبول کے مقابلے کی سوچ بھی سکے ۔ ہم لاہور کی بادشاہی مسجد لئے پھرتے ہیں اور غالباً اسے دنیا کی سب سے بڑی مسجد بھی کہتے ہیں ' کیا صرف کھلے صحن کے رقبے کے بل پر؟ ۔ بادشاہی مسجد کے مسقف حصہ سے بڑے درجنوں اللہ کے گھر تو خود لاہور میں موجود ہیں ۔ اللہ مسجدیں دیکھنے کا شوق دے اور فن تعمیر سے دلچسپی بھی ہو تو کم از کم ایک مہینہ استنبول کی صرف مساجد دیکھنے کے لئے درکار ہے ' ایک ہفتے میں تو آدمی ورطہ ء حیرت سے ہی باہر نہیں نکل پاتا ----

(باقی باقی)

بقیہ جماعت اسلامی

بندھنوں سے آزادی حاصل کرنے کے بعد سیاست کی کان نمک میں پوری طرح سما کر نمک ہی بن جائے --- جماعت کے پاس تعلیم یافتہ اور باشعور کارکنوں کی ایک منظم قوت ہے ' اللہ اسے منتشر ہونے سے محفوظ رکھے اور کسی بھلے کام میں لگائے جس سے آئندہ نہ صرف قوم کا فائدہ ہو بلکہ گزشتہ غلطیوں کی کسی حد تک تلافی بھی ممکن ہوسکے ۔ ○○

ضرورت رشتہ

لاہور میں مقیم متوسط ' دیندار ' تعلیم یافتہ ' اعوان گھرانہ کی ۲۳ سالہ خوب صورت و سیرت بی کام بیٹی کے لئے موزوں رشتہ درکار ہے -- رابطہ کے لئے غلام حسن ملک ' معرفت ماہنامہ میثاق ' ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن لاہور

"یہ شیطنت جس کے ہم شکار ہوئے' مغرب ہی کی پروردہ ہے"

اخذ و ترجمہ: سردار اعوان

بوسنیا کے غیر معروف لیکن منتخب مسلمان صدر، علی جا عزت بیگووچ سے لندن مذاکرات کے موقعہ پر نیوز ویک کے ڈینیل پیٹرسن کے انٹرویو سے اقتباسات:

○س۔ آپ کے خیال میں اس امن کانفرنس سے کچھ حاصل ہوا؟

☆ج۔ ہماری توقعات اور امیدوں کی نسبت بہت کم، مگر پیش رفت بہرحال ہوئی ہے۔

○س۔ کیا آپ کو اس میں شبہ ہے کہ جو کچھ یہاں طے ہوا، مغربی ممالک اس پر عمل درآمد بھی کروائیں گے؟

☆ج۔ جی ہاں، ارادے کی کمی ہمارے لئے مایوسی اور حیرت کا باعث ہے۔

○س۔ کیا آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ مغرب نے آپ کے ساتھ دغا کی ہے؟

☆ج۔ جی ہاں، ایک حد تک، ہمارے لئے ہی نہیں یہ طرز عمل مغرب کے اپنے مفاد میں بھی نہیں۔ انہوں نے اپنے اصولوں سے بے وفائی کی ہے۔ یہ تو غنیمت سمجھئے کہ دوسری عالمی جنگ کے وقت وہ اسی گومگو میں نہیں رہے تھے ورنہ آج دنیا پر نازی جرمنی کا قبضہ ہوتا!

○س۔ بوسنیا کے ستر فی صد حصہ پر سربیا کے قبضہ سے جنیوا مذاکرات کے لئے آپ کی حیثیت کمزور نہیں ہوگئی؟

☆ج۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ستر نہیں پچاس فی صد سے قدرے زائد رقبہ ان کے قبضہ میں ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ بھی جنگ سے تھک چکے ہیں۔ انہوں نے بے تحاشا وحشیانہ جرائم کا ارتکاب کیا ہے جو سیاسی اور اخلاقی لحاظ سے ان کی شکست بن گئی ہے۔ ہمارے پاس کمی صرف ہتھیاروں کی ہے لیکن نفسیاتی اور اخلاقی سطح پر دیوالیہ وہ ہوئے ہیں۔

○س۔ بوسنیا اگر ماقبل جنگ کی سرحدیں بحال کر دینے میں کامیاب ہوگیا تو سرب، کروٹ اور مسلمان دوبارہ وہاں آپس میں مل جل کر رہ سکیں گے جہاں پڑوسی کے ہاتھوں پڑوسی قتل ہوئے ہوں؟۔

☆ج۔ سربیا کے راہنما رادوان کرزک کا اصل مقصد یہاں کی معمول کی زندگی کو تاراج کرنا تھا۔ اسی فی صد سے زائد علاقے میں مِلی جلی نسل کے باشندے صدیوں سے آباد ہیں۔ اگر ہم موجودہ دور کے تقاضے پیش نظر رکھیں تو آج بھی اسی طرح مل جل کر رہنے میں ہمارا فائدہ ہے البتہ جو لوگ ازمنہ قدیم کی باتیں کرتے ہیں، ان کے لئے نسل کشی سے کام لینا ناگزیر ہوتا ہے۔

○س۔ کیا انہیں اس میں کامیابی ہوئی؟

☆ج۔ بدقسمتی سے وہ بہت حد تک کامیاب رہے بالخصوص دیہی علاقوں میں۔ شہروں میں جہاں لوگ بہتر سوجھ بوجھ رکھتے ہیں، حالت قدرے مختلف ہے۔

○س۔ آپ کو ہتھیار کہاں سے مل رہے ہیں؟

☆ج۔ جو بھی فروخت کر رہا ہو اس سے ہم خریدنے کو تیار ہیں۔

○س۔ بعض اطلاعات کے مطابق آپ کو اسلامی دنیا سے اسلحہ اور روپیہ بلکہ سپاہیوں کی بھی مدد مل رہی ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟

☆ج۔ یہ سب ہوائی باتیں ہیں لیکن ہمیں جہاں سے بھی امداد مل سکی، ہم قبول کریں گے۔

○س۔ کیا یورپی اقوام کے بوسنیا سے کبھی دوستانہ مراسم بھی رہے ہیں؟

☆ج۔ میرا خیال ہے یورپ والوں کو بوسنیا کی اس تباہی پر صدمہ تو ہوا ہے مگر جس شیطنت کا ہم شکار ہوئے، وہ ایک طرح سے مغرب ہی کی پروردہ ہے۔ فسطائیت اور سوشلزم کا یہ ملغوبہ درحقیقت مغرب ہی کی پیداوار ہے۔

○س۔ امریکہ سے آپ کے تعلقات کیسے تھے؟

☆ج۔ مسئلہ یہ ہے کہ امریکہ کے ہمارے ملک سے اس طرح کے مفادات وابستہ نہیں ہیں جیسے مشرق وسطیٰ، مشرق بعید اور لاطینی امریکہ وغیرہ سے ہیں۔ ہمارے ساتھ ہونے والے حادثہ کی یہ بھی ایک وجہ ہے۔

○س۔ کیا طویل گوریلا لڑائی کے ذریعے آپ کے لئے اپنا علاقہ واپس لینا ممکن ہے؟

☆ج۔ آپ اسے گوریلا لڑائی کیوں کہتے ہیں! ہم ایک فوج تیار کر رہے ہیں۔ ان کی نسبت ہمارا علاقہ زیادہ ترقی یافتہ ہے۔

○س۔ کیا جنگ کو پھیلنے سے روکنے میں اب زیادہ دیر نہیں ہوچکی؟

☆ج۔ میرے خیال میں زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ کل یہاں جو فیصلے ہوئے ہیں اگر ان پر عمل درآمد کرایا جائے تو جنگ کو پھیلنے سے روکا جا سکتا ہے۔

○س۔ کیا فوجی مداخلت کی دھمکی کے بغیر ان فیصلوں پر عمل درآمد کرایا جا سکے گا؟۔

☆ج۔ میرے خیال میں یہ بہت مشکل ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ اقوام عالم فوجی مداخلت کے لئے بھی تیار ہو جائیں گی لیکن انہیں محسوس تو ہو کہ اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔

جماعت اسلامی

☆ کن مقاصد کے تحت قائم ہوئی تھی؟
☆ آزادی کے قبل اس کے نظریات کیا تھے؟
☆ قیام پاکستان کے بعد اس نے کیا طرز عمل اختیار کیا؟ اور اسکے کیا نتائج برآمد ہوئے؟
○ جماعت کے ماضی و حال کا تاریخی تجزیہ جماعت کے سابق کارکن کے قلم سے

تحریک جماعت اسلامی
ایک تحقیقی مطالعہ
تالیف: ڈاکٹر اسرار احمد

قیمت اعلیٰ ایڈیشن (مجلد سفید کاغذ)۔/۴۰ روپے
عام ایڈیشن (پیپر بیک)۔/۲۰ روپے
ملنے کا پتہ: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

۵۷۔۱۹۵۶ء میں جماعت اسلامی میں پالیسی اور نظم جماعت کے بارے میں جو شدید اختلاف رونما ہوا تھا، جس کے نتیجے میں ڈاکٹر اسرار احمد سمیت بہت سے عام ارکان اور مولانا عبدالجبار غازی، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا عبدالغفار حسن، اور شیخ سلطان احمد ایسے اکابر سمیت جماعت کی قیادت کی پوری صف دوم جماعت سے علیحدہ ہوگئی تھی، اس کے

حقائق و واقعات پر مشتمل
ڈاکٹر اسرار احمد
کی اہم تالیف

تاریخ جماعت اسلامی
کا ایک گمشدہ باب

قیمت۔/۸۰ روپے ملنے کا پتہ ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36 -K,Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

پریس ریلیز

یہ منافقت میکیاولی سیاست کا شاہکار ہے

حکومت نے اپنے سب انڈے ایک ٹوکرے میں نہیں رکھے

لاہور ۔ ۴؍ ستمبر۔ امیر تنظیم اسلامی پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ ابتدائی مختصر مدت میں اپنی بقاء کی سر توڑ جدوجہد کے بعد سے جس کے دوران اس کی اصل قیادت اللہ کو پیاری ہو گئی ' پاکستان مسلسل ایک ایسی درمیانی راہ پر چلتا رہا ہے جس کے دونوں طرف راستے نکلتے تھے لیکن ۴۵ سال پورے ہونے پر وہ واقعی ایک دوراہے پر کھڑا نظر آتا ہے جہاں اسے کسی ایک طرف پیش قدمی کا فیصلہ اب کرنا ہی ہوگا ۔ ملک اسلامی انقلاب کی طرف سفر کا آغاز کرے گا یا علی الاعلان خالص سیکولر ریاست بن جائے گا کیونکہ سود کے خلاف وفاقی شرعی عدالت کے تاریخ ساز فیصلے نے اب دو عملی کو ناممکن بنا دیا ہے ۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں اپنے خطاب جمعہ میں تسلیم کیا کہ غالب رجحان سیکولرزم کی طرف ہے کیونکہ یہی پوری مسلم اور غیر مسلم دنیا کا شعار بن چکا ہے اور واحد سپریم پاور امریکہ بھی جو بلاواسطہ اور بالواسطہ ہمارا مربی ہے یہی چاہتا ہے ۔ انہوں نے کہا کہ وزیر مملکت برائے مخالفت شریعت سردار آصف احمد علی کے تابڑ توڑ بیانات کے بعد ایک اور وفاقی وزیر مملکت رانا نذیر احمد کا اس نعرے کے ساتھ میدان میں اترنا کہ مولویوں نے اسلام اور پاکستان کو بدنام کردیا ہے کوئی اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ سوچا سمجھا لائحہ عمل اور میکیاولی سیاست کا ایک شاہکار ہے جسے بڑی ذہانت اور کامیابی سے چلانے پر موجودہ حکمرانوں کو خراج تحسین پیش کیا جانا چاہیے ۔ انہوں نے کہا کہ یہ بے چارے وزیر جس کھونٹے سے بندھے کود رہے ہیں وہ چاہے یہاں کمزور ہو لیکن در حقیقت اس میں بڑی قوت ہے کیونکہ یہ امریکہ اور صیہونیت کا گاڑا ہوا کھونٹا ہے جس کے ساتھ عالمی تہذیب کے علاوہ کرۂ ارضی کا پورا مالیاتی نظام بھی بندھا ہوا ہے ۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ رانا نذیر کی اس بات کا کہ پاکستان اسلام کے لئے بنا تھا بنیاد پرستی کے لئے نہیں ' سادہ زبان میں ترجمہ یہ ہے کہ ملک مسلمانوں کے لئے حاصل کیا گیا ہے اسلام کے لئے نہیں ۔ آخر پوری اسلامی دنیا اسلام کے بغیر چل ہی رہی ہے اور ترکی نے تو عریاں سیکولرزم ڈنکے کی چوٹ اختیار کی لیکن یہاں غلطی یہ ہوئی کہ مسلمانوں کے قومی جذبے کو بیدار کرنے کے لئے غیر مذہبی جماعت مسلم لیگ نے لا الہ الا اللہ کا نعرہ زیادہ زور سے لگا دیا اور پھر اسے اچھالا بھی ضرورت سے زیادہ ۔ اس سے بڑھ کر مجرمانہ حرکت مذہبی جماعتوں نے کی کہ اس نعرے کی آڑ میں یہاں سیاسی پھاگ کھیلا اور اس میں جماعت اسلامی سب سے آگے تھی جو تحریک پاکستان سے بالکل الگ رہی تھی ۔ پھر سب سے بڑا مجرم ضیاء الحق ثابت ہوا جس نے ان لوگوں کی پکائی ہوئی کھچڑی گیارہ برس تک کھیر بنا کر کھائی ۔

امیر تنظیم اسلامی نے تجزیہ کر کے بتایا کہ ان تین غلطیوں کے تین ہی ہولناک نتائج برآمد ہوئے ۔ ۴۵ سال کے اس پورے عرصے میں نہ کوئی ذہنی اور فکری تبدیلی پیدا ہو سکی نہ اسلام کے حق میں کوئی مضبوط اور منظم رائے عامہ بیدار ہوئی اور نہ ہی اخلاق و اعمال میں دین کی طرف ذرا بھی پیش رفت ہوئی بلکہ انحطاط کی حد ہو گئی اور ہم نے نفاق عملی کی سب شرائط پوری کردی ہیں ۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اسلام سے ہماری مشہور عالم وابستگی کا اب تک کا حاصل یہ ہے کہ کچھ مذہبی رسوم و شعائر کو سرکاری سرپرستی میسر آگئی اور اس کے علاوہ بس وہ محتاط دستوری دفعات ہیں جن کو مضبوط تحفظات نے غیر موثر اور لایعنی بنا کر رکھ دیا اور وہ اب تک فیصلہ کن نہیں بن سکیں ۔ دوسری طرف ملک میں وہ لوٹ مچی ہوئی ہے جس کی نظیر پاکستان کی تاریخ میں موجود نہیں کیونکہ اب تو کہا یہ جاتا ہے کہ ہم نے بدعنوانی کی اور مال بنایا ہے تو کیا ہوا ' تم نے بھی تو بنایا تھا۔ قومی دولت آہستہ آہستہ نجی ہاتھوں میں جا رہی ہے ۔ سرکاری املاک کو نیلام کر کے اپنے تصرف میں یا دوستوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے بلکہ اس میں بھی اب کوئی حرج نہیں سمجھا جا رہا کہ غیر ملکی بھی حصہ لے جائیں ۔ یہ سلسلہ ابھی کچھ اور چل سکتا تھا لیکن وفاقی شرعی عدالت کے انتہائی مدلل فیصلے نے اچانک ملک کو ایک بحران میں مبتلا کردیا ہے ۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ سپریم کورٹ کا شرعی بینچ اپیل میں کس بات کو نظر ثانی کا جواز بنائے گا ' آخر وہاں بھی تو علما بیٹھے ہیں ۔ تھوڑی سی دیر سویر ہو سکتی ہے لیکن اب زیادہ گنجائش بھی نہیں رہی اور ہمیں دو میں سے کوئی ایک راستہ بہت جلد اختیار کر لینا پڑے گا اور اگر سیکولرزم ہمارا انتخاب ہوا تو خاکم بدہن یہ ملک ٹوٹ جائے گا ۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ موجودہ حکومت جو اسلام کے بلند بانگ نعروں کے زور پر برسراقتدار آئی ' در حقیقت دینی اعتبار سے بڑے ہی منافقانہ طرز عمل کا لیکن میکیاولی سیاست کے اصولوں کے تحت حد درجے سیاسی مہارت کا ثبوت دے رہی ہے ۔ اس نے سب متبادل اپنی جیب میں رکھے

(باقی صفحہ ۱۸ پر)